ماہنامہ

اهل السنة

اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

November 2020

نومبر ۲۰۲۰ء

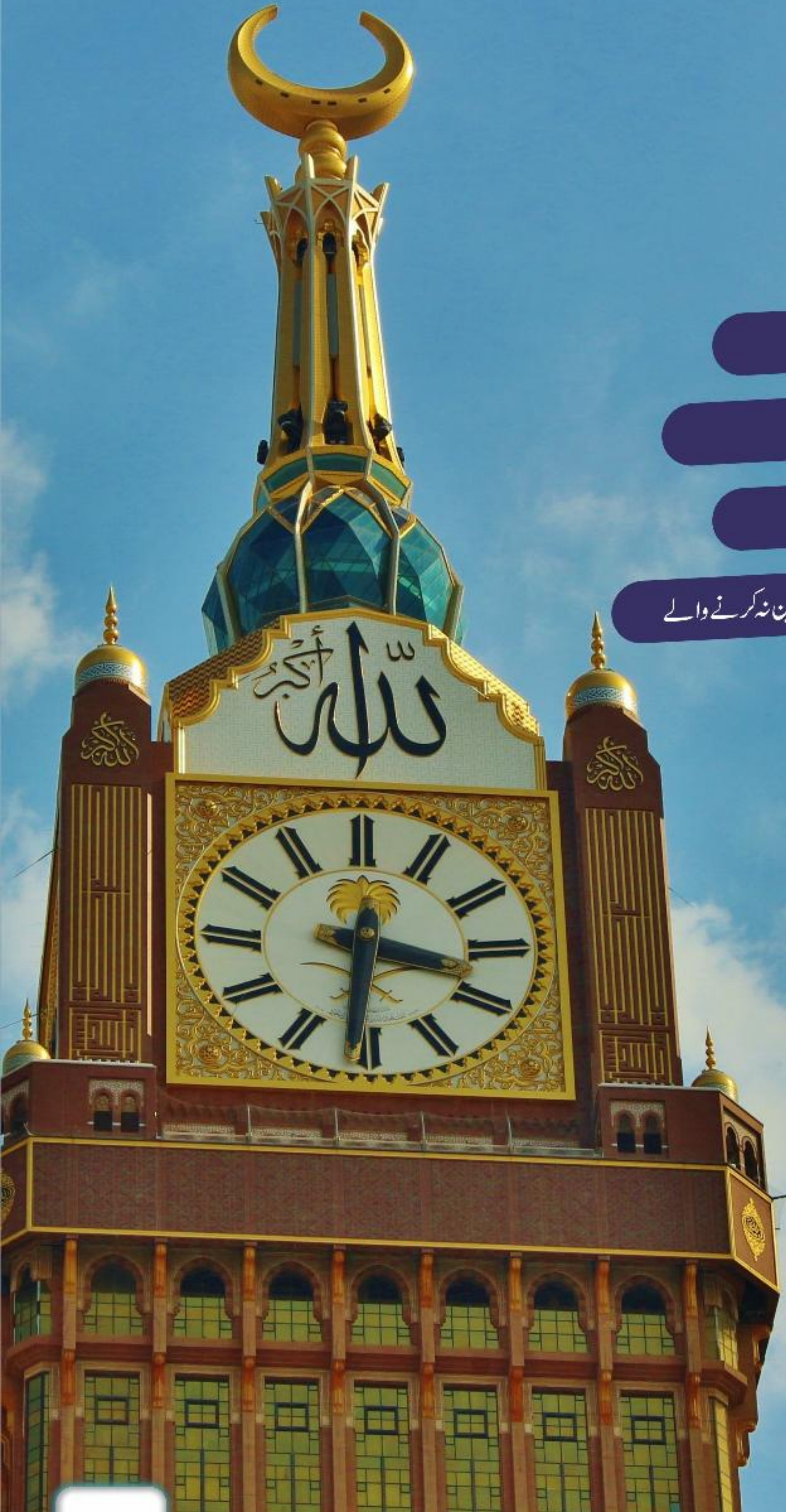

گستاخ رسول اور توہین رسالت کا انجام

محبت رسول ﷺ کے تقاضے اور ہم

قبر رسول کے پاس استغفار کی شرعی حیثیت

ہر دن ہزاروں نیکیوں سے محروم نماز میں رفع الیدین نہ کرنے والے

106

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی ○ نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمن سنابلی

ماہنامہ

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ کریں......

مفسرِ قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ما یمنع أحدكم إذا رجع من سوقه أو من حاجته، فاتكأ على فراشه، أن يقرأ ثلاث آيات من القرآن؟!''

''تمہیں کون سی چیز روکتی ہے کہ تم بازار یا دیگر کام کاج سے گھر لوٹو، تو بستر پر آرام کرتے وقت قرآن مجید کی تین آیات ہی تلاوت کر لو؟'' [سنن الدارمی: ۳۳۷۹، سنده صحیح]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''كرهوا أن يمضي على الرجل يوم لا ينظر في مصحفه''

''سلف صالحین ناپسند کرتے تھے کہ کسی بندے پر مکمل دن گزر جائے اور وہ مصحف (قرآن مجید) نہ کھولے'' [تفسیر القرآن العظیم: ۶۸/۱]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ينبغي للإنسان أن يجعل له في كل يوم حزبا معينا من القرآن يحافظ عليه''

''انسان کو چاہیے کہ اپنے لیے قرآن مجید کی یومیہ مقدار مقرر کرے اور اسے نہ چھوڑے'' [نور على الدرب: ۲۲۷]

Ahlus Sunnah

Volume No.8, Issue No.106, November 2020

ماہنامہ

نومبر ۲۰۲۰ء

جلد: ۸
شمارہ: ۱۰۶

فی شمارہ -/Rs. 30
سالانہ -/Rs. 300

اھل السنۃ
Ahlus Sunnah

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی
نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی ● نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ : شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر : طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبیدالرحمٰن مدنی

● شیخ نورالحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

میگزین ممبرشپ رابطہ نمبر: 8080807836 / 8291063765

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website: ahlussunnah.co.in | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل السنۃ
Ahlus Sunnah
اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

گستاخ رسول اور توہین رسالت کا انجام	حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی	05
محبت رسول ﷺ کے تقاضے اور ہم	عبید اللہ الکافی اکرم	08
عقائد و احکام میں خبر واحد کی حجیت (پہلی قسط)	عبد المالک رحمانی	11
قبر رسول کے پاس استغفار کی شرعی حیثیت	فاروق عبد اللہ نراین پوری	14
ہر دن ہزاروں نیکیوں سے محروم نماز میں رفع الیدین نہ کرنے والے	کفایت اللہ سنابلی	27
علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات (نویں قسط)	عبید اللہ الباقی اسلم	31
کتاب ''چار دن قربانی'' پر اعتراضات کے جوابات (دوسری قسط)	زبیر یحییٰ عالیاوی	39
اسلام میں تزکیۂ نفس کی اہمیت و ضرورت	حسینہ مدحت رحمانی	51
دشمن کی سازشوں سے خبردار رہیں	ابوسفیان ہلالی	58
ایک عامل کی زندگی خلیج میں	عبد الکریم رواب علی السنابلی	60

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

گستاخ رسول اور توھین رسالت کا انجام

حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی

قارئین کرام! شاتم رسول ﷺ کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، یہ تو ہر دور اور ہر زمانے کا اٹوٹ حصہ ہے، یہ تو بعثت نبوت ورسالت کے آغاز سے ہی ہے، کیونکہ رسول حق کا پیامبر ہوتا ہے، وہ لوگوں کو بھلی باتوں کی تعلیم دیتا ہے، انہیں برائی سے روکنے کی کوشش کرتا ہے، رہ گیا باطل تو اسے یہ سب برداشت نہیں، حق سے باطل کی کشمکش لازمی اور طبعی ہے۔

خاتم الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کو جب نبوت و رسالت سے سرفراز کیا گیا تو اسی وقت سے آپ کی ذات مبارکہ اہل باطل کا نشانہ بننے لگی، سب و شتم، افتراء و بہتان اور اذیت رسانی کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو گیا، کاہن، ساحر، شاعر اور مجنون جیسے نازیبا القاب آپ کی ذات مبارکہ پر چسپاں کرنے کی مذموم سعی کی جانے لگی، اذیت رسانی کی ہر ممکن تدبیر کو بروئے کار لایا جانے لگا کہ کسی طرح سے حق کی راہ میں بند باندھا جا سکے، لیکن آپ ﷺ ہر مقام پر صبر وتحمل اور عفو و درگزر کا پیکر بنے رہے، باطل اپنی تمام کوششیں کرتا رہا، مگر کب تک؟؟؟......جب اذیت رسانی اور بدتمیزی کا یہ سیلاب گستاخی اور شناعت کی تمام تر حدوں کو پار کر کے سر سے اوپر بہنے لگا تو آپ ﷺ کی ایماء پر جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایسے گستاخ اور شاتم رسول کو کیفر کردار تک پہنچا دیا اور لوگوں کو یہ پیغام دے دیا کہ تکالیف ومصائب کا پہاڑ مسلمان برداشت کرسکتا ہے لیکن نبی کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی اسے برداشت نہیں، بلکہ ایسے شخص کو زمین پر سانس لینے کا بھی حق نہیں....اس مختصر سے مضمون میں شاتم رسول اور گستاخ مصطفیٰ ﷺ کا حکم اور اس کی سزا شریعت اسلامیہ کی نظر میں وضاحت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

محترم قارئین! آج باطل کے تمام مذاہب بشمول یہود ونصاریٰ نے عالم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اعلانیہ جنگ چھیڑ رکھی ہے، کبھی رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کر کے، کبھی اسلام اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے کر، کبھی سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے نام نہاد مسلمانوں کا سہارا لے کر تو کبھی ذرائع ابلاغ کے ذریعے رحمۃ للعالمین ﷺ کے توہین آمیز کارٹونوں کی اشاعت کر کے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور ابھی حالیہ دنوں میں فرانس کے اندر توہین رسالت کا ایک معاملہ سامنے آیا.....افسوس ہے کہ ایسے لوگ اسلامی حکومت و مملکت کی دسترس سے باہر اعداء اسلام کی پناہ میں ہیں ورنہ ان جیسے ناپاک لوگوں کے وجود سے زمین کو پاک کرنا

واجب تھا.....لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دشمنان اسلام کی طرف سے جب جب ذات رسول پر زک پہنچانی کی ناروا کوشش کی جاتی ہے اس وقت مصطفیٰ ﷺ کے فدائیوں کے دلوں میں ان کے تئیں الفت ومحبت اور جاں نثاری و قربانی کا جذبہ مزید پیدا ہوتا ہے......ایک مسلمان کے لئے نبی ﷺ کی ذات اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ ایک عام مسلمان بھی اپنے نبی ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی بھی تحقیر کی کوشش برداشت نہیں کرسکتا......آیئے پہلے پیغمبر اعظم ﷺ کے مقام ومرتبے کو شریعت کی زبان میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

رسول رحمت ﷺ کا مقام ومرتبہ:

۱۔ نبی ﷺ پوری کائنات کے لئے (بشمول ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، یہودی وغیرہ) رحمت والا بنا کر بھیجے گئے تھے۔

۲۔ مسلمان اپنی جان اور اپنے خاندان سے زیادہ اپنے پیارے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

۳۔ نبی ﷺ کو شفاعت کبریٰ حاصل ہے۔ ۴۔ نبی ﷺ تمام انبیاء ورسل بلکہ پوری انسانیت کے سردار ہیں۔

۵۔ نبی ﷺ اخلاق کے بلند مقام پر فائز تھے۔ ۶۔ اللہ نے نبی ﷺ کو حوض کوثر عطا کیا ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ بے شمار ایسی باتیں ہیں جن سے نبی ﷺ کا مقام ومرتبہ معلوم ہوتا ہے، نبی ﷺ کی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان کی تعظیم وتوقیر کرنا بھی نبوت ورسالت کا تقاضہ ہے، ان کی عزت وتکریم کرنا ہمارا بنیادی فریضہ اور فلاح وکامرانی کا راستہ ہے، اسی طرح نبی ﷺ سے محبت جب تک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کی محبت پر غالب نہ ہوجائے اس وقت کوئی بھی انسان کامل مومن نہیں ہوسکتا۔

گستاخ اور شاتم رسول کون؟؟؟

چونکہ شمس وقمر اور ارض وسماء نیز بعض دوسری چیزوں کی طرح اس کی کوئی جامع ومانع لغوی تعریف نہیں ہے اور نہ ہی ایمان وکفر نیز صوم وصلاۃ کی طرح اس کی کوئی شرعی تعریف ہے اس لئے بیع وقبض کی طرح گستاخ وشاتم رسول کا اعتبار عرف عام ہوگا، لہٰذا عرف عام میں جس قول وعمل سے نبی ﷺ کی توہین وتنقیص ہو، عظمت رسالت ﷺ پامال ہو، منصب رسالت پر حرف آئے نیز نبی ﷺ کی ذات کے لئے باعث تکلیف واذیت ہو، خواہ صراحۃً ہو یا اشارۃً، اس پر سب وشتم اور اذیت کا اطلاق ہوگا، اور ایسا کرنے والا ''گستاخ'' اور ''شاتم رسول'' کہلائے گا۔

شاتم رسول ﷺ کی سزا: أ۔ قرآن کے دلائل:

۱۔ سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶۱ سے ۶۶ کا ترجمہ اور تفسیر دیکھیں۔

۲۔ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۷ کا ترجمہ اور تفسیر دیکھیں۔

ب: سنت کے دلائل:

ا۔ کعب بن اشرف کی گستاخی اور اس کے قتل کا واقعہ [صحیح بخاری:٤٠٣٧، ٣٠٣١]

۲۔ ابورافع سلّام بن ابی الحقیق کی گستاخی اور اس کے قتل کا واقعہ[صحیح بخاری :٤٠٣٩]

۳۔ ایک نابینا صحابی کے ذریعہ ایک گستاخ عورت کے قتل کا واقعہ[سنن ابی داؤد:٤٣٦١،صحیح]

ج: سلف صالحین کے بعض اقوال:

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں جمہور علماء امت کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ گستاخ رسول اپنے جرم کے سبب اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور اس دنیا میں اس کی سزا قتل ہے۔جیسا کہ امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے اندر بیان کیا ہے کہ:''اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی، برا بھلا کہا تو اسے قتل کر جائے گا''۔[الاجماع لابن المنذر :ص:٧٦]

نیز اسی طرح کا ایک قول امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے منقول کیا گیا ہے کہ:''اس بات پر علماء کا اجماع منعقد کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول ﷺ کو گالی دے، یا اللہ کے نازل کردہ کسی حکم کو رد کردے، یا کسی نبی کو قتل کردے تو ایسا شخص اپنے اس عمل کی بنا پر کافر ہوجائے گا گرچہ وہ اللہ کے نازل کردہ تمام احکام کو ماننے والا ہو''۔[الصارم المسلول علی شاتم الرسول لابن تیمیه: ١٥/٢]

محمد بن سخنون کا قول ہے:''اس بات پر علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور ان کی توہین کرنے والا کافر ہے،اس کے بارے میں عذاب الٰہی کی وعید نازل ہوئی ہے،امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے، جو شخص اس کے کفر اور سزا میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔[الصارم المسلول علی شاتم الرسول لابن تیمیه: ١٥/٢]

محترم قارئین! کعب بن اشرف، ابورافع سلّام بن ابی الحقیق اور عہد رسالت میں بعض گستاخوں کی صرف یہی چند مثالیں نہیں بلکہ تاریخ اسلام میں ہم اور آپ کو بہت سارے ایسے واقعات مل جائیں گے کہ جن میں گستاخ رسول کا تذکرہ ہوگا، سب کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ جس نے بھی نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی اس کا انجام بھیانک ہوگیا، اور دیر سویر کسی نہ کسی قدرتی مصیبت نے اسے اپنی چپیٹ میں لے لیا۔

آج پھر ایک بار نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی ناروا کوشش کی گئی ہے، اپنی گندی حرکتوں سے پیارے حبیب ﷺ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی مذموم سعی کر کے ان گستاخوں نے اپنا شمار ان لوگوں میں کرالیا ہے کہ جن کو اسی دنیا میں اللہ کی طرف سے بھیانک عذاب میں مبتلا ہونا پڑا، اب انتظار کرو کہ کب عرش والا اپنے پیارے رسول ﷺ کی گستاخی کا بدلہ لیتا ہے...وہ ہر بات پر قادر ہے، اس کی ذات سے راہ فرار ممکن نہیں................

اللہ سے دعا ہے کہ لوگوں کو صحیح سمجھ عطا کرے اور ہم مسلمانوں کو نبی ﷺ کی ذات سے حقیقی محبت کرنے کی توفیق دیا۔آمین

محبت رسول ﷺ کے تقاضے اور ہم

عبید اللہ الکافی اُکرم

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرنا لازمی ہے، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اور رسول ﷺ سے محبت نہ کرے، اس لئے کہ کمال ایمان اسی بات پر منحصر ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کی جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ"

"تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ اپنے والد سے اپنی اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے" [صحيح مسلم: ٤٤]

لیکن انسانی فطرت ہمیشہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے جن سے ہم محبت کرتے ہیں کیا وہ بھی ہم سے محبت کرتے ہیں، اگر کرتے ہیں تو کتنی؟ تاکہ طرفین کی محبت کو انصاف کے پیمانے سے پرکھا جاسکے، اس لئے کہ محبت کے دائمی، پختہ اور انتہائی مفید ہونے کے لئے چند بنیادی اصول وضوابط اور شرائط یہ ہیں:

۱۔ محبت طرفین سے برابر ہو

۲۔ اس محبت کی بنا اخلاص پر ہو

۳۔ وہ محبت غیر مشروط ہو

آپ ﷺ کو اپنی امت سے محبت اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد سب سے زیادہ تھی، بلکہ دنیا کی کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جس کی محبت آپ ﷺ کی محبت سے موازنہ کیا جائے، بلکہ ہمیں خود بھی اپنی ذات سے اتنی محبت نہیں جتنی آپ ﷺ کو تھی، رب العالمین اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾

"پیغمبر مومنوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں" [الاحزاب: ٦]

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

''البتہ تحقیق کہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے، جسے تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے تمہاری بھلائی پر، وہ حریص (فکرمند) ہے مومنوں پر، نہایت شفقت کرنے والا بڑا مہربان ہے'' [التوبة:۱۲۸]

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ''

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے زمین پر کوئی ایسا مومن نہیں جس کے ساتھ سارے لوگوں سے زیادہ میں مہربان نہ ہوں'' [صحيح مسلم :۱۶۱۹]

یہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہی تھی جو صرف کہنے تک اکتفاء نہ تھا، بلکہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اسے ایسی تطبیق دی کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال نہیں ملتی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے بھی صحابہ کرام ایسی محبت کرنے لگتے ہیں کہ مشرکین قریش بھی گواہی دینے پر مجبور ہوجاتے ہیں، چنانچہ عروہ بن مسعود نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کہا تھا کہ واللہ! میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے یہاں سفیر بن کر سفر کیا لیکن ایسی محبت نہیں دیکھی جس طرح محمد ﷺ سے ان کے اصحاب کرتے ہیں۔

واللہ! محمد ﷺ تھوکتے بھی ہیں تو کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ پر ضرور گرتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم آپ ﷺ سے کس قدر محبت کرتے تھے اس کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ زید بن وثنی رضی اللہ عنہ کو جب کفار قید کر لیتے ہیں اور انہیں شہید کرنے کے لئے مکہ سے باہر لایا جاتا ہے راستے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کیا تمہیں پسند ہے کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ کو شہید کیا جائے اور تم آرام سے زندگی گزر بسر کرو، زید رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: ''واللہ! مجھے یہ بات بھی گوارہ نہیں کہ محمد ﷺ کے پیر میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

۲۔ جنگ احد میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ستر تیروں کا سامنا کرتے ہیں، تاکہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

۳۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے اس طرح اظہار محبت کرتے ہیں۔

وأحسن منک لم تر قط عيني   وأجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من كل عيب   كأنک قد خلقت كما تشاء

رسول اللہ ﷺ سے محبت کا صاف ستھرا تقاضہ یہ ہے کہ آپ کی اتباع کی جائے، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اتباع رسول کی ایسی مثالیں پیش کیں کہ آج تک دنیا اس کی نظیر پیش نہیں کرسکی، آپ ﷺ نے جب آبا و اجداد کی قسم سے روکا تو اسی وقت رک گئے دوبارہ کبھی آبا و اجداد کی قسم نہ کھائی، آپ ﷺ نے شراب کی حرمت کا اعلان کروایا تو اسی وقت شراب کے مٹکیں مدینے کی گلیوں میں انڈیل دیئے، آپ ﷺ نے حالت نماز میں قبلہ بدلا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی بدل دیا، آپ ﷺ نے حالت نماز میں اپنی جوتیاں اتار دیں تو انہوں نے بھی اتار دیا، گویا آپ نے جس چیز کو کرنے کا حکم دیا تو فوراً عمل پیرا ہو گئے اور جس چیز سے روکا اس سے فوراً رک گئے، کوئی تاویل نہیں کی، اور نہ ہی ان سے کوئی نافرمانی سرزد ہوئی۔

لیکن آج ہم مسلمان ہیں جو آپ ﷺ سے محبت کے دعوے تو کرتے ہیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صبح سے شام تک دس فیصد بھی عمل نہیں کرتے، جس رسول ﷺ نے عورتوں سے بیعت وعہد میں ہاتھ ملانا گوارہ نہیں کیا آج ان کی اظہار محبت میں کرایے کی رقاصہ اور طوائف سے جشن میلاد النبی (ﷺ) کے نام سے رقص کرواتے ہیں، جس نبی ﷺ نے بانسری کی آواز سن کر کان میں انگلیاں ڈال دیں، آج ان سے اظہار محبت ڈھول تاشے سے کرتے ہیں، جس نبی ﷺ نے بازار کو سب سے بری جگہ قرار دیا آج ہم اسی بازار میں میلہ لگا کر ان سے اظہار محبت کرتے ہیں، جس نبی نے بدعت کو ضلالت قرار دیا آج ان کی حدیث کی ناجائز تاویل کر کے ان سے اظہار محبت کرتے ہیں، ارے ایسی محبت سے تو محبت بھی شرما جائے۔ سچ کہا تھا علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

اللہ رب العالمین ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے، اور ان بدعات وخرافات سے ہمارے معاشرے کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

(پہلی قسط)

عقائد و احکام میں خبر واحد کی حجیت

عبدالمالک رحمانی

قارئین کرام! پچھلے ایک مضمون میں آپ نے حجیت حدیث پر بعض اعتراضات بالخصوص خبر واحد کی حجیت کے حوالے سے ملاحظہ کیا اور اس پر جو شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں ان کی معرفت لی جیسے خبر واحد ظن کا فائدہ دیتی ہے یا بعض دلائل کا سہارا لے کر زبردستی نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور پھر ان شبہات کا ازالہ علمائے سلف وخلف کی روشنی میں پڑھا اور وہیں اشارہ کیا گیا تھا کہ ان شبہات کا در اصل حقیقت سے کوئی لینا دینا نہیں ہے یہ محض ایک خیال ہے اور زبردستی شبہ بنانا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ خبر واحد کی حجیت قرآنی آیات، احادیث رسول ﷺ اور عمل صحابہ سے ثابت ہے لہٰذا اب ہم ان دلائل کا ذکر کریں گے جن سے خبر واحد کی حجیت ثابت ہوتی ہے خواہ وہ قرآنی آیات ہوں یا احادیث رسول ﷺ یا عمل صحابہ اور پھر بعد کے ادوار کے محدثین کا عمل ان شاءاللہ اس مضمون میں ''خبر واحد کی حجیت عقائد واحکام میں قرآنی آیات کی روشنی میں'' کے عنوان پر تحریر کی جائے گی۔ اس لیے اولاً ان دلائل کا ذکر پھر ان سے علمائے سلف کے استدلال کا ذکر کیا جائے گا۔

یوں تو اس مسئلے میں قرآنی آیات کئی ایک ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

''اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں'' [التوبة:۱۲۲]

یہ آیت کریمہ مومنین کو اس بات پر ابھارتی ہے کہ وہ دین کا فہم حاصل کریں، دین سیکھیں اور علم دین سیکھنے کے بعد امت کی رہنمائی کریں اور آیت میں وارد لفظ ''طائفہ'' کا ایک اور ایک سے زائد سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر کتاب أخبار الآحاد میں ایک کافی لمبا باب باندھا جو کہ کچھ اس طرح ہے:

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَازَةِ خَبَرِ الْوَاحِدِ الصَّدُوقِ فِي الْأَذَانِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ وَالْفَرَائِضِ وَالْأَحْكَامِ، وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰی: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ وَيُسَمَّى الرَّجُلُ طَائِفَةً، لِقَوْلِهِ تَعَالٰی: ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾، فَلَوِ اقْتَتَلَ رَجُلَانِ دَخَلَ فِي مَعْنَى الْآيَةِ، وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ وَكَيْفَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَرَاءَهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ، فَإِنْ سَهَا أَحَدٌ مِنْهُمْ رُدَّ إِلَى السُّنَّةِ. [صحيح البخاري كتاب أخبار الآحاد] جس میں کئی مسائل اس اخبار آحاد کے تعلق سے بیان کیے گئے ہیں:

طائفہ ایک شخص کو بھی کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ سورہ حجرات کی آیت میں ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾

''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرا دیا کرو'' [الحجرات:۹]

لہٰذا اگر دو شخص بھی آپس میں جھگڑا کرتے ہیں تو دونوں آیت میں داخل ہیں (یعنی ان کے درمیان بھی صلح صفائی کرائی جائے گی نہ کہ پوری جماعت کے لڑنے کا انتظار کیا جائے گا)۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ''اگر کوئی فاسق تمہیں کوئی خبر دے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو''

اور کیسے آپ علیہ السلام نے امراء کو یکے بعد دیگرے روانہ کیا۔

اور جب ان سے کوئی خطا سرزد ہوتی تو سنت یعنی حدیث کی طرف لوٹا دیا جاتا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کی یہ صورت ہو کہ وہ دینی مسائل کے تعلق سے جو بھی خبر دے تو اس کی بات مانی جائے گی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی خبر حجت ہے اور دین کی فہم اور سمجھ میں عقائد اور احکام دونوں شامل ہیں بلکہ عقیدہ کی معرفت اور فہم احکام کے فہم سے زیادہ اہم ہے۔ (العقیدۃ فی اللہ)

۲۔ قال تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [الحجرات:٦]

''اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو''

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ خبر واحد جو ثقہ ہو اس کی بات اور خبر قطعیت کے ساتھ اور بالجزم قابل قبول ہے نیز اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ وہ فاسق کے زمرے میں نہیں ہے اور اگر اس کی خبر علم کا فائدہ نہیں دیتی تو مطلقاً

تحقیق کا حکم دیا جاتا تا کہ علم کا حصول ہو لیکن ایسا نہیں ہے۔[وجوب الآخذ بحديث الآحاد فى العقيدة للشيخ الألبانى]

۳۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ﴾

''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے'' [النساء:٥٩]

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا آپ علیہ السلام کی حیات طیبہ میں اور آپ کی سنت کی طرف رجوع آپ کی وفات کے بعد نیز اس پر بھی اتفاق ہے کہ اس رجوع کی فرضیت آپ علیہ السلام کی وفات سے ختم نہیں ہو جاتی ہے، آپ علیہ السلام کی یہ خبریں اور حدیثیں خواہ وہ متواتر ہوں یا آحاد کے قبیل سے ہوں اور اگر وہ علم کا فائدہ نہیں دیتیں تو ان کی طرف رجوع کی کوئی وجہ نہیں ہوتی''

[مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة]

الغرض یہ اور اس طرح کی دیگر آیات قرآنیہ جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر بتلانے والا معتمد ہو، اس کی باتوں میں سچائی اور صداقت ہے اور دوسرے لوگوں سے ہٹ کر عجیب وغریب باتیں فروغ دینے والا نہیں ہے بلکہ موثوق اور معتمد ہے تو اس کی بات قابل قبول ہے خواہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو اور اس کی وہ بات عقائد سے متعلق ہو یا احکام سے۔ اور ویسے بھی دین میں احکام سے زیادہ عقائد اہم ہیں جب ایک شخص کی بات احکام میں جو کہ اہمیت میں عقائد سے کم ہیں اس میں حجت ہے تو پھر عقلاً بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب ایک چیز اہم ہے لیکن کوئی چیز اس سے بھی زیادہ اہم ہے تو جو کم درجے والی میں دلیل ہے تو پھر اس سے زیادہ اہم پر کیوں نہیں؟ اس لیے عقائد میں بدرجۂ اولیٰ ایک شخص کی بات (خبر واحد) حجت ہے اور یہ ان تمام آیات سے واضح ہے کہ آیت میں لفظ ''طائفہ'' میں قوم کا ایک فرد اور سب کو شامل ہے لہٰذا ایک بھی یہ ذمہ داری قبول کر لے اور انجام دے دیا تو باقی لوگوں کی طرف سے کافی ہوگا اور اس فریضہ کی ادائیگی ہو جائے گی جس کی جانب امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ خبر واحد قابل حجت ہے نہ قابل عمل اور ان دلائل کا ذکر کیا جن سے خبر واحد کی حجیت کی صراحت ملتی ہے اور عمل سے ثابت ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ۔ آئندہ سطور میں احادیث رسول ﷺ اور آپ علیہ السلام کے عمل سے خبر واحد کی حجیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں منہج سلف صالحین کی اقتدا، صحیح فہم اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ جاری ہے............

قبر رسول کے پاس استغفار کی شرعی حیثیت

فاروق عبداللہ نراین پوری

کتاب وسنت کے بے شمار دلائل کی بناء پر اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور آپ ﷺ آدم کی اولاد میں سے ہیں، بلکہ آپ سیدوُلد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخری نبی بنا کر اس دنیا میں مبعوث فرمایا، اور ۶۳ سالہ زندگی گزارنے کے بعد ۱۲/ربیع الاول ۱۱ ہجری کو آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی دنیاوی زندگی ختم ہوچکی ہے اور آپ ابھی عالم برزخ میں ہیں۔ آپ کے لئے موت کا لفظ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر استعمال کیا ہے۔ اور صحابۂ کرام، تابعین عظام وسلف صالحین نے بھی اس لفظ کا بکثرت استعمال کیا ہے۔ درحقیقت اس لفظ میں آپ کے لئے کوئی توہین ہے ہی نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو شبہ ہوتا ہے۔

نیز اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کسی بھی ایسے شخص سے کچھ طلب کرنا جائز نہیں جس کی وفات ہوچکی ہے، چاہے وہ انبیاء کرام بلکہ سیدوُلد آدم نبی کریم ﷺ ہی کیوں نہ ہوں۔

لیکن افسوس کہ بعض حضرات سلف صالحین کے اس متفقہ عقیدے کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس جا کر آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنا جائز ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے بخشش تو طلب نہیں کی جائے گی لیکن یہ درخواست کرنا جائز ہے کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔ یہ حضرات قرآن کریم کی اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾

”جب انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اگر یہ آپ کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے“ [النساء:٦٤]

نیز اس آیت کے خودساختہ مفہوم کو تقویت دینے کے لئے عتبی نام کے ایک شخص کا ایک (من گھڑت) قصہ بیان کرتے ہیں، جن کا کہنا ہے کہ:

”میں قبر رسول کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران ایک اعرابی آیا، اور فرمایا: السلام علیک یا رسول اللّٰہ! میں

نے اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾

اور میں اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرنے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی شفاعت طلب کرنے کے لئے آیا ہوں۔ پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھا:

يا خير من دفنت بالقاع أعظمه	فطاب من طيبهن القاع والأكم
نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه	فيه العفاف وفيه الجود والكرم

اور چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میری آنکھ لگ گئی، خواب میں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، آپ فرما رہے تھے: اے عتبی اس اعرابی سے ملو اور اسے یہ خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا ہے''

مذکورہ آیت اور اعرابی کے قصہ سے استدلال کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ ہم سے ظلم وزیادتیاں ہوتی رہتی ہیں، گناہیں سرزد ہوتی رہتی ہیں اس لئے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں آپ ﷺ کی قبر کے پاس آ کر استغفار کرنا چاہئے، نیز آپ سے یہ درخواست کرنا چاہئے کہ آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں جیسا کہ اس اعرابی نے کیا تھا۔

لیکن ان کا یہ استدلال درج ذیل اسباب کی بنا پر باطل ہے۔

ا۔ آیت کا یہ مفہوم سلف صالحین کی متفقہ فہم کے خلاف ہے۔

ہمارے برادران اس آیت سے جو مفہوم اخذ کرتے ہیں یہ فہم سلف صالحین کی متفقہ فہم کے خلاف ہے۔ اور کتاب وسنت کے نصوص کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ سلف صالحین کی فہم کے مطابق انہیں سمجھا جائے۔

اگر اس آیت کا یہی مفہوم ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اپنی زندگیاں آپ ﷺ کی محبت واطاعت میں قربان کردیں وہ سب سے پہلے اسے انجام دیتے۔ لیکن کسی بھی صحابی سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر پر آ کر اس طرح کی کوئی درخواست کی ہو، یا گناہ کرنے کے بعد آپ کی قبر پر آ کر استغفار کیا ہو، یا آپ کے وسیلہ سے کچھ طلب کیا ہو۔

اسی طرح تابعین، تبع تابعین ومن تبعہم باحسان کسی سے اس طرح کا کوئی عمل ثابت نہیں ہے۔

حالانکہ آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جب کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تو وہ پریشان ہوجاتے، فوراً انہیں اس غلطی کا احساس ہوتا اور اس کی مغفرت کی کوشش میں لگ جاتے، آپ ﷺ کے پاس آتے اور آپ سے

استغفار طلب کرتے، پھر آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے۔

علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهذه كانت عادة الصحابة معه صلى الله عليه وسلم أن أحدهم متى صدر منه ما يقتضي التوبة جاء إليه فقال: يا رسول الله فعلت كذا وكذا فاستغفر لي"

"یہ آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ جب ان سے کوئی ایسی چیز صادر ہو جاتی جس سے توبہ کی ضرورت ہوتو آپ کے پاس آتے اور کہتے: اے اللہ کے رسول میں نے ایسا ایسا کرلیا ہے، اس لئے آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔" [الصارم المنكي في الرد على السبكي: ص:۳۱۷]

بطور مثال درج ذیل چند واقعات ملاحظہ فرمائیں جن سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں یہ صحابہ کرام کی عادت تھی:

۱۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والا واقعہ یاد کریں۔ اس میں ہے:

"وكان إذا قدم من سفر بدأ بالمسجد فركع فيه ركعتين، ثم جلس للناس، فلما فعل ذلك جاءه المخلفون، فطفقوا يعتذرون إليه، ويحلفون له، وكانوا بضعة وثمانين رجلا، فقبل منهم رسول الله صلى الله عليه وسلم علانيتهم، وبايعهم واستغفر لهم"

"آپ ﷺ جب کسی سفر سے واپس آتے سب سے پہلے مسجد جا کر دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر لوگوں کے ساتھ بیٹھتے، جب آپ نے ایسا کیا تو غزوہ سے پیچھے رہ جانے والے آپ کے پاس آئے اور اپنا اپنا عذر پیش کرنے لگے، قسمیں کھانے لگے، ان کی تعداد اسّی سے کچھ زائد تھی۔ جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا آپ نے اسے قبول کیا، ان سے بیعت کی، اور ان کے لئے استغفار کیا" [صحيح بخاري:٤٤١٨، صحيح مسلم:٢٧٦٩]

۲۔ یزید بن اسود فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کیا، فرماتے ہیں: آپ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے، تبھی آپ نے پیچھے ایسے دو لوگوں کو دیکھا جو نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: ان دونوں کو میرے پاس لاؤ، انہیں لایا گیا اس حال میں کہ ان کے رگ کانپ رہے تھے، آپ نے فرمایا: ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تم دونوں کو کس چیز نے روکا؟ دونوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ہم اپنے گھروں میں نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، جب تم میں سے کوئی اپنے گھر میں نماز پڑھ لے، پھر امام کے ساتھ (یعنی باجماعت) نماز پالے تو اسے امام کے ساتھ پھر پڑھ لے، یہ نماز اس کے

لئے نفل ہو جائے گی۔ یزید بن اسود فرماتے ہیں:

فقال أحدهما: ”استغفر لي يا رسول الله. فاستغفر له“

دونوں میں سے ایک نے کہا: ”اے اللہ کے رسول آپ ہمارے لئے استغفار کریں، تو آپ نے اس کے لئے استغفار کی“ [مسند احمد: ۲۱/۲۹، ح: ۱۷۴۷۶] مسند احمد کے محققین نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ عن الحارث بن عمرو، أنه لقي رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع، فقلت: بأبي أنت يا رسول الله، استغفر لي، قال: ”غفر الله لكم ......“

”حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے حجۃ الوداع میں ملے اور فرمایا: ”یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ قربان ہوں، آپ میرے لئے استغفار کر دیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ آپ لوگوں کی مغفرت فرمائے“ دیکھیں: [السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۷۷/۴، ح: ۴۵۳۹، مسند احمد: ۳۴۲/۲۵، ح: ۱۵۹۷۳] مسند احمد کے محققین نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

۴۔ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”میں نبی ﷺ کے پاس گیا اور آپ کے ساتھ ظہر، عصر، مغرب وعشاء کی نماز پڑھی، پھر جب آپ اپنے بعض حجروں میں داخل ہونا چاہتے تھے میں آپ کے پیچھے ہولیا، آپ کھڑے ہو گئے، میں آپ کے پیچھے تھا، گویا آپ کسی سے بات کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: حذیفہ، آپ نے پوچھا: معلوم ہے میرے ساتھ کون تھا؟ میں نے کہا: نہیں، فرمایا: جبرئیل علیہ السلام میرے پاس یہ خوشخبری دینے آئے تھے کہ حسن وحسین دونوں نوجوان جنتیوں کے سردار ہوں گے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

”فاستغفر لي ولأمي“، قال: غفر الله لك يا حذيفة ولأمك“

”یعنی میرے اور میری ماں کے لئے استغفار کر دیں، آپ نے کہا: اے حذیفہ اللہ آپ اور آپ کے ماں کی مغفرت فرمائے“ [مسند احمد: ۳۵۵/۳۸] شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **”وهذا إسناد صحيح على شرط مسلم“** [سلسلة الأحاديث الصحيحة: ۴۲۶/۲]

۵۔ (صحیح بخاری، باب غزاۃ اوطاس: ۱۵۵/۵، حدیث نمبر: ۴۳۲۳) میں ابوعامر اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قصہ مروی ہے۔ ابوعامر رضی اللہ عنہ کو دشمنوں میں سے ایک جُشَمی شخص نے ایک تیر مارا تھا، جس کا بدلہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس دشمن کو قتل کر کے لیا تھا، ابوعامر رضی اللہ عنہ کی اسی تیر سے شہادت واقع ہوئی۔ وفات سے پہلے انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کہا:

"یا ابن أخی أقرء النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم السلام، وقل لہ:استغفر لی"

''اے میرے بھتیجے نبی ﷺ کو میرا اسلام کہنا اور آپ سے کہنا کہ میرے لئے استغفار کریں''

حسب وصیت انہوں نے آپ ﷺ تک ان کا سلام پہنچایا اور ان کے لئے استغفار کی درخواست کی۔آپ نے پانی منگایا، وضو کیا، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کی:

اللھم اغفر لعبید أبی عامر،اللھم اجعلہ یوم القیامۃ فوق کثیر من خلقک من الناس "

''اے اللہ عبید ابو عامر کی مغفرت فرما۔اے اللہ انہیں قیامت کے دن اپنی بہت سی مخلوق سے بلند تر درجہ عطا فرما۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تب میں نے کہا: میرے لئے بھی مغفرت کی دعا کر دیں۔تب آپ نے یہ دعا کی:

"اللھم اغفر لعبد اللّٰہ بن قیس ذنبہ، وأدخلہ یوم القیامۃ مدخلا کریما "

''اے اللہ عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دے، اور قیامت کے دن اچھا مقام عطا فرما''

صحیح بخاری کی اس حدیث پر غور فرمائیں کہ آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام کی کتنی شدید خواہش ہوتی تھی آپ ﷺ سے استغفار کی دعا کروانے کی، اگر کوئی خود سے نہیں پہنچ پاتا تو دوسرے کے ہاتھ یہ درخواست بھجواتا، لیکن وہی صحابہ کرام آخر آپ کی وفات کے بعد کبھی بھی آپ کی قبر کے پاس آ کر یہ درخواست کیوں نہیں کرتے ہیں؟

۶۔ (صحیح بخاری: کتاب المرضی، باب قول المریض:''إنی وجع، أو وارأساہ، أو اشتد بی الوجع: ۱۱۹/۷، حدیث نمبر: ۵۶۶۶) میں ہے کہ (ایک دن سر کے شدید درد کی وجہ سے) اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:"وا رأساہ" ''یعنی ہائے رے سر!'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"ذاک لو کان وأنا حی فأستغفر لک وأدعو لک"

''اگر یہ (یعنی آپ کی وفات) میری زندگی میں ہوئی تو میں آپ کے لئے استغفار کروں گا اور آپ کے لئے دعا کروں گا''

اس عظیم حدیث پر غور فرمائیں! اس میں آپ ﷺ نے ہمیں ایک قاعدہ کلیہ عطا فرمایا ہے۔اس میں آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اگر آپ کی وفات میری زندگی میں ہوتی ہے تو میں آپ کے لئے استغفار کروں گا۔آپ نے یہاں پر "وأنا حی" کا لفظ کیوں فرمایا ہے؟ اگر وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کسی کے لئے استغفار کر سکتے ہیں تو یہ کہنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کہ ''اگر ایسا میری زندگی میں ہوا''، کیونکہ اُس صورت میں کبھی بھی ان کی وفات ہو قبر سے بھی

آپ یہ کام کر سکتے تھے۔لیکن آپ نے ”وأنا حي“، کی قید لگا کر یہ تعلیم دی کہ دوسروں کے حق میں استغفار کا معاملہ صرف میری زندگی کے ساتھ مقید ہے۔وفات کے بعد یہ کام میرے لئے ممکن نہیں ہے۔

استاد محترم فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن العباد حفظہ اللہ ومتعہ بالصحۃ والعافیۃ فرماتے ہیں:

”جاء في صحيح البخاري في كتاب المرضى: عن عائشة رضي الله عنها قالت: (وا رأساه قال: ذاك لو كان وأنا حي فأستغفر لك وأدعو لك) يعني: لو مت قبلي دعوت لك واستغفرت لك، فقوله هذا الكلام يبين بأن دعاءه واستغفاره إنما هو في حال حياته صلى الله عليه وسلم، ولو كان ليس هناك فرق بين الحياة والموت لما كان هناك حاجة إلى أن يقول هذا الكلام، لأنه سواء سبقها بالموت أو سبقته بالموت فإنه يستغفر لها، هذا إذا كان الأمر أنه لا فرق بين الحياة والموت لكنه قال: (لو كان ذاك وأنا حي دعوت لك واستغفرت لك).

[شرح سنن أبي داؤد للعباد: ٤٠٧/٢٧، بترقيم الشاملة آليا]

(صحیح بخاری میں کتاب المرضی میں آیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ”وا رأساه“ ”ہائے رے سر“ کہا جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ (یعنی آپ کی وفات) میری زندگی میں ہوئی تو میں آپ کے لئے استغفار کروں گا اور آپ کے لئے دعا کروں گا۔یعنی اگر آپ مجھ سے پہلے فوت ہوئیں تو میں آپ کے لئے دعا کروں گا اور استغفار کروں گا۔ آپ ﷺ کے یہ کہنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کا-دوسروں کے لئے -دعا واستغفار کرنا صرف آپ کی زندگی میں تھا۔اس لئے کہ اگر زندگی وموت میں کوئی فرق نہ ہوتا تو یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔اس لئے کہ چاہے آپ کی وفات پہلے ہو یا ان کی، آپ ان کے لئے استغفار کرتے ہی، یہ بات ہم اس وقت کہیں گے جب زندگی وموت میں کوئی فرق نہ ہو،لیکن آپ نے کہا کہ اگر یہ (یعنی آپ کی وفات) میری زندگی میں ہوئی تو میں آپ کے لئے دعا کروں گا اور آپ کے لئے استغفار کروں گا۔)

تو یہ تھا آپ ﷺ کی زندگی میں صحابہ کرام کا معمول کہ غلطی سرزد ہو جانے پر آپ ﷺ کے پاس آتے اور اس کا حل ڈھونڈتے۔جیسے کہ ” مجامع نهار رمضان“ ’رمضان میں روزے کی حالت میں جماع کرنے والے صحابی‘ اور ماعز اسلمی رضی اللہ عنہما کے واقعات سے پتہ چلتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بھی یہ آیت تھی جس سے ہمارے برادران مذکورہ استدلال کرتے ہیں،انہیں بھی اس آیت کا علم تھا جس میں گنہگاروں کے حق میں آپ ﷺ کے استغفار کا اللہ رب العزت نے ذکر کیا ہے۔بلکہ صرف

یہی آیت کیوں، دوسری آیات بھی تھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین ومؤمنات کے حق میں آپ ﷺ کو استغفار کا حکم دیا ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ [سورہ محمد:١٩]

''اے نبی آپ اپنے گناہ اور مؤمنین ومؤمنات کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں''

اسی طرح سورہ آل عمران (آیت:۱۵۹) میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فاعف عنهم و استغفر لهم﴾

''انہیں معاف کردیں اوران کے لئے استغفار کریں''

اسی طرح سورہ ممتحنہ (آیت:۱۲) میں ہے:

﴿فبايعهن و استغفر لهن الله﴾ (ان عورتوں سے بیعت لیں اوران کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔)

بلکہ ان کے سامنے تو قرآن کریم میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا اپنے والد یعقوب علیہ السلام کے پاس جاکر استغفار طلب کرنے اور یعقوب علیہ السلام کا ان کے لئے استغفار کرنے کا قصہ بھی موجود تھا، سورہ یوسف پڑھیں۔اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ . قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

''انہوں نے کہا اے ہمارے والد آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کریں، ہم گنہگار ہیں۔(یعقوب علیہ السلام نے)فرمایا عنقریب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا، وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے'' [يوسف:٩٧-٩٨]

لیکن یہ تمام آیتیں ان کے سامنے رہنے کے باوجود صحابہ کرام نے یہ نہیں سمجھا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس آکر گناہوں سے استغفار کرنا یا آپ ﷺ سے استغفار طلب کرنا جائز ہے۔جو آپ کی زندگی میں یہ کام کر سکتے تھے بلکہ کیا کرتے تھے آخر کون سی چیز ان کے لئے مانع تھی کہ آپ کی وفات کے بعد انہوں نے کبھی بھی اس کے لئے ذرہ برابر کوشش نہ کی۔

اس لئے جو لوگ اس سے مذکورہ استدلال کرتے ہیں ان کا یہ فہم صحابہ، تابعین، تبع تابعین ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین کے متفقہ فہم کے خلاف ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔اور ایسا فہم قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بعض لوگ اس آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ کی وفات کے بعد آپ سے استغفار طلب کرتے ہیں تو ہم ان صحابہ کرام کے درجہ میں ہوتے ہیں جو آپ سے استغفار طلب کرتے تھے، اور اس طرح وہ صحابہ، تابعین اور تمام مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد نہ شفاعت طلب کی تھی اور نہ کوئی دوسری چیز۔ اور نہ ہی ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اسے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ [قاعدة جليلة فى التوسل والوسيله :ص:٢٤]

اور علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولم يفهم منها أحد من السلف والخلف إلا المجيء إليه في حياته ليستغفر لهم"

"سلف وخلف میں سے کسی نے بھی اس آیت سے سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھا کہ اس میں آپ کی زندگی میں آپ کے پاس آنے کی بات کی گئی ہے تاکہ آپ ان کے لئے استغفار کریں" [الصارم المنكى فى الرد على السبكى: ص:٣١٧]

۲۔ آیت میں مذکورہ حکم آپ ﷺ کی زندگی میں تھا، کیونکہ اس میں ماضی کی خبر دی گئی ہے، مستقبل کی نہیں۔

اس کی دلیل "اذ ظلموا"، کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ "اذ" کہا ہے، "اذا" نہیں۔ اور عربی زبان میں "اذ" سے ماضی کی خبر دی جاتی ہے، مستقبل کی نہیں۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللَّهَ تَوَّاباً رَّحِيماً﴾

فهذا في حياته، فليس فيها دليل على طلب الاستغفار منه بعد موته، فإن الله قال: (إذ ظلموا) ولم يقل: إذا ظلموا أنفسهم، (وإذ) ظرف للماضي لا للمستقبل، فهي في قوم كانوا في عهد النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فلا تكون لمن بعده" [مجموع فتاوىٰ ورسائل العثيمين:١٧/٣٠٠]

(آیت - میں مذکورہ حکم - یہ آپ ﷺ کی زندگی سے متعلق ہے۔ اس میں آپ کی وفات کے بعد آپ سے

استغفار طلب کرنے کی دلیل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "اذ ظلموا" کہا ہے، "إذا ظلموا أنفسهم" نہیں کہا ہے۔ اور "اذ" ماضی میں ظرف کا معنی دیتا ہے، مستقبل میں نہیں۔ اس میں ایک ایسی قوم کی بات کی گئی ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں تھی، لہٰذا یہ آیت آپ کی وفات کے بعد کے لئے نہیں ہوگی۔)

اور یہی بات شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے بھی ایک شخص پر رد کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ دیکھیں: [حجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاریخها واحکامها لعبد الرحمٰن بن سعد الشثری: ص: ۳۳۹]

۳۔ یہ آیت منافقین کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

شیخ محمد خلیل ہراس رحمہ اللہ محمد حسنین مخلوف پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم کہیں گے کہ قبوریوں کی "اس آیت سے قبر والوں سے وسیلہ کے جواز پر استدلال کرنے" سے بڑی جہالت اور گمراہی کی دوسری دلیل نہیں ہوسکتی۔

یہ آیت مفسرین کے اجماع کے مطابق منافقین کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنے قضیہ کا فیصل بنا کر اپنے او پر ظلم کیا تھا۔ دیکھیں: [حجرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاریخها واحکامها لعبد الرحمٰن بن سعد الشثری: ص: ۳۴۰]

۴۔ آیت کا سیاق بالکل واضح ہے کہ اس میں منافقین کی بات کی گئی ہے۔

یہ سورہ نساء کی ۶۴ نمبر آیت ہے۔ اس کے صحیح معنی ومفہوم کو جاننے کے لئے آیت نمبر ۶۰ سے اسے پورا پڑھنا اور نظر کے سامنے رکھنا ضروری ہے۔

اس میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ یہ گمان اور دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ اور آپ سے پہلے آنے والے انبیاء پر نازل کردہ کتب پر ایمان لائے ہیں لیکن جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا ہے تو آپ کو چھوڑ کر طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہیں اپنا فیصل بناتے ہیں۔ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف آؤ تو یہ منافقین آپ سے اعراض کرنے لگتے ہیں۔

لہٰذا یہ سیاق بالکل واضح ہے کہ اس میں منافقین کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ اگر یہ منافقین طاغوت کو اپنا فیصل بنانے والے جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں، اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

اس لئے اس سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا درست نہیں کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس جا کر یہ درخواست کی جاسکتی ہے۔

۵۔ آیت میں آپ ﷺ کے پاس آنے کی بات کی گئی ہے، آپ کی قبر کے پاس آنے کی نہیں۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "جاء وک" کہا ہے، "جاء وا الی قبرک" نہیں کہا ہے۔

اور آپ کی وفات کے بعد کسی کے لئے آپ کے پاس آنا ممکن نہیں ہے۔اگر وفات کے بعد کوئی کسی کی قبر کے پاس جائے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ میں فلاں کے پاس گیا تھا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کی قبر کے پاس گیا تھا۔

وفات کے بعد کسی کی قبر پر جانے کو نہ لغۃً، نہ عرفاً، اور نہ شرعاً ان کے پاس جانا کہتے ہیں، بلکہ ایسے موقع پر قبر پر جانا کہا جاتا ہے۔(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:[صیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان للشیخ العلامہ محمد بشیر السهسوانی الهندی: ص:۲۹۔۳۱]

۶۔ آیت میں صرف آنے اور آکر استغفار کرنے کی بات نہیں کی گئی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ان کے لئے استغفار کرنے کی بات کی گئی ہے۔

آیت میں ہے:"واستغفر لهم الرسول" اور یہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی صرف ممکن تھا، آپ کی وفات کے بعد یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کسی کے لئے استغفار کریں۔کیونکہ استغفار ایک ایسا عمل ہے جو میت نہیں کرسکتی یا جس کی دلیل قرآن وسنت میں نہیں۔

جہاں تک میت کے لئے بعض اعمال کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً فرشتوں کے سوالوں کا جواب دینا، یا انبیاء کے متعلق آیا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

۱۔ میت کے لئے اصل یہ ہے کہ ان کے لئے کسی عمل کا کرنا ممکن نہیں۔"إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله"، "جب کسی انسان کی موت ہوتی ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے" [صحیح مسلم:۱۶۳۱]

اس سے صرف وہی چیز مستثنیٰ ہوگی جس کا کتاب وسنت میں استثناء کیا گیا ہے۔اور انبیاء کا دوسروں کے حق میں استغفار کرنے کو کسی بھی نص میں استثناء نہیں کیا گیا۔

۲۔ جن اعمال کا تذکرہ ملتا ہے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔لیکن ان کی کیفیت کے متعلق ہم کچھ بیان نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام کی زندگی برزخی زندگی ہے اس لئے ان اعمال کو دنیاوی اعمال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

دراصل قبر میں انبیاء کرام کی نماز پڑھنے والی حدیث مغیبات (یعنی جن کا تعلق غیب سے ہے مثلاً قیامت کی خبریں، جنت وجہنم کے حالات، قبر کے حالات وغیرہ) میں سے ہے۔اور مغیبات کا علم انسان کے پاس نہیں ہے، ہم اتنا ہی

ان مغیبات کے متعلق کہہ سکتے ہیں جتنا کتاب وسنت میں وارد ہے۔اس لئے اس نماز کی کسی بھی طرح کی کسی کیفیت کا بیان کرنا ممکن نہیں۔اور دنیاوی زندگی پر قیاس کرنا تو بالکل قرین قیاس نہیں۔

اعرابی والی حدیث کا جائزہ:

جہاں تک اعرابی والی حدیث کو بطور دلیل پیش کرنے کی بات ہے تو وہ دلیل بننے کے قابل ہی نہیں، کیونکہ وہ ایک من گھڑت اور جعلی روایت ہے۔

اسے امام بیہقی نے (شعب الایمان:۶/۶۰، ح:۳۸۸۰) میں درج ذیل سند سے روایت کی ہے،فرماتے ہیں:

أخبرنا أبو علي الروذباري، حدثنا عمرو بن محمد بن عمرو بن الحسين بن بقية، إملاء ، حدثنا شكر الهروي، حدثنا يزيد الرقاشي، عن محمد بن روح بن يزيد البصري، حدثني أبو حرب الهلالي .

اس سند کے متعلق علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''امام بیہقی نے ایک تاریک سند سے اسے شعب الایمان میں ''عن محمد بن روح بن یزید بن البصری،حدثنی أبوحرب الہلالی'' کے طریق سے ذکر کیا ہے''[الصارم المنكي : ص:۲۵۳]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''**هذا إسناد ضعيف مظلم**''[السلسله الصحيحه:٤٢٧/٦]

نیز اسے ابن عساکر نے اپنے معجم الشیوخ (۵۹۹/۱۔۶۰۰) میں عبد الغالب بن ثابت بن ماہان ابونصر الرافقی سے روایت کیا ہے، وہ (عبد الغالب) کہتے ہیں کہ مجھے میرے استاد ابن طوق نے عتبی کی یہ روایت ایک ایسی سند سے بیان کی تھی جسے میں بھول چکا ہوں۔پھر اس روایت کو ذکر کرتے ہیں۔

یہ سند اُس سے بھی زیادہ تاریک ہے کیونکہ اِس میں روایت کرنے والوں کے نام تک کا ذکر نہیں ہیں۔

معلقاً یا بلاسند اسے اور بھی دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے جن میں سب سے قابل ذکر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ہیں۔

علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ ان حکایات کے متعلق فرماتے ہیں:''اس حکایت کو بعض علماء نے عتبی سے بلاسند ذکر کیا ہے، اور بعض محمد بن حرب الہلالی سے، اور بعض نے محمد بن حرب عن ابی الحسن الزعفرانی عن الاعرابی کے طریق سے روایت کی ہے''[الصارم المنكي: ص:۲۵۳]

نیز فرماتے ہیں:''بعض جھوٹوں نے اس کے لئے علی بن ابی طالب تک اس کے لئے ایک سند گھڑی ہے جیسا کہ اس کا ذکر آ رہا ہے۔خلاصۂ کلام یہ کہ اعرابی کی یہ روایت ایسی نہیں جس سے حجت قائم ہو سکے۔اس کی سند تاریک ومن

گھڑت ہے۔اوراس کے الفاظ بھی من گھڑت ہیں'' [الصارم المنكي: ص:٢٥٣]

اور ایک جگہ فرماتے ہیں: ''یہ خبر یعنی حدیث منکر و من گھڑت ہے، اور یہ اثر من گھڑت و بناوٹی ہے، نہ اس پر اعتماد کرنا درست ہے اور نہ اس کی طرف رجوع کرنا، اور اس کی سند تو گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے'' [الصارم المنكي: ص:٣٢١]

لہٰذا اس من گھڑت روایت سے استدلال کرتے ہوئے اسے جائز ٹھہرانا قطعاً جائز نہیں۔

جہاں تک حافظ ابن کثیر یا دیگر علماء اہل سنت کا اسے بیان کرنا ہے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ اسے صحیح کہہ رہے ہوں۔علماء اہل سنت نے ضعیف اور موضوع روایتوں کو اپنی کتابوں میں مختلف اسباب کی بنا پر ذکر کیا ہے جسے میں نے اپنے رسالہ ''**كشف الاسرار عما يورد المحدثون في كتبهم من ضعاف الاخبار**''(یعنی کتب حدیث میں ضعیف احادیث کیوں؟) میں بالتفصیل ذکر کیا ہے۔

اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی مان لی جائے پھر بھی اس میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قبر رسول کے پاس آ کر آپ ﷺ سے استغفار یا کوئی دوسری چیز طلب کرنی جائز ہے۔کیونکہ اس روایت میں اعرابی کا اپنا عمل مذکور ہے جو کہ کتاب وسنت کے دوسرے بے شمار دلائل کے برخلاف ہے۔اور کتاب وسنت کے مقابل میں کسی کا بھی کوئی قول یا عمل ہمارے لئے حجت نہیں۔

اگر کوئی یہ کہے کہ بظاہر وہ صحابی تھے، اور کسی صحابی سے یہ ممکن نہیں کہ ان سے توحید وشرک کے مسئلہ میں غلطی سرزد ہو جائے۔تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ان کا صحابی ہونا اولاً متعین نہیں ہے۔ثانیاً اگر کتاب وسنت سے ثابت ہو جائے کہ لاعلمی میں ان سے جو عمل صادر ہوا ہے وہ شرک ہے تو ان کا وہ عمل امت کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔اور لاعلمی میں ایسا بعض صحابہ کرام سے ہوا ہے۔مثلاً بعض صحابہ کرام کا آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کا مطالبہ کرنا، یا ذات انواط کا مطالبہ کرنا یہ شرعی دلائل کی بنیاد پر شرکیہ عمل ہے۔جب ان صحابہ کرام نے یہ مطالبہ کیا تھا تو انہیں اس کا علم نہیں تھا لیکن جب آپ ﷺ نے انہیں سمجھایا تو وہ اس سے رک گئے۔(مزید تفصیلات کے لئے دیکھیں: [هذه مفاهيمنا للشيخ صالح بن عبد العزيز آل الشيخ: ص:٨١]

لہٰذا اس اعرابی کا وہ عمل اگر کتاب وسنت کے خلاف ہے تو وہ قابل حجت نہیں۔

دوسری بات: اس اعرابی نے آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست نہیں کی تھی یا کوئی دوسری چیز طلب نہیں کی تھی۔ اس لئے اس سے یہ استدلال کرنا ہی بیجا ہے۔

تیسری بات: اس روایت میں خواب کی جو بات کی گئی ہے کہ عتبی نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ان سے

کہا کہ اس اعرابی سے ملو اور انہیں مغفرت کی خوشخبری سنا دو تو اس کا جواب یہ ہے کہ خواب کی بنیاد پر کوئی شرعی حکم ثابت ہی نہیں ہوتا۔ شرعی احکامات کے استنباط کا مصدر رفقط رب کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت ہے۔

چوتھی بات: ان کی بخشش ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قبر رسول کے پاس آ کر استغفار کرنے کی وجہ سے ان کی بخشش ہوئی تھی، بلکہ اس کے لئے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

پانچویں بات: حاجت پوری ہو جانا یا من چاہا نتیجہ برآمد ہونا کسی چیز کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ اگر نتیجہ کی بنیاد پر شرعی مسائل میں حق یا ناحق ہونے کا فیصلہ ہونے لگے تو بہت سارے ایسے کفار بھی مل جائیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں بابا کے پاس فلاں عمل کرنے کی وجہ سے میری فلاں مراد پوری ہوئی۔ اس لئے شرعی مسائل میں تجربہ اور نتیجہ کی بنیاد پر صحیح یا غلط کا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ دلائل کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انہوں نے اس حکایت سے احتجاج کیا ہے جس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا، خصوصاً اس طرح کے معاملے میں جو کہ اگر مشروع یا مندوب ہوتا تو صحابہ اور تابعین کو اس کی زیادہ جانکاری ہوتی، وہ اس پر زیادہ عمل کرنے والے ہوتے، بلکہ اعرابی اور ان کی طرح کے لوگوں کی حاجت پوری ہونے کے دوسرے اسباب ہیں جو کہ دوسری جگہ بالتفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ اور اگر کسی سبب سے کسی کی کوئی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو وہ سبب مشروع اور مأمور بہ نہیں ہو جائے گا۔ آپ ﷺ سے آپ کی زندگی میں کچھ مانگا جاتا تو آپ دے دیتے، مانگنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے۔ حالانکہ سائل کے لئے مانگنا حرام تھا'' [اقتضاء الصراط المستقيم: ۲۸۹/۲-۲۹۰]

یہ تمام باتیں بالفرض اس روایت کو صحیح ماننے کی صورت میں ہیں۔ لیکن جیسے کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ یہ روایت ثابت ہی نہیں ہے، یہ ایک من گھڑت اور جعلی روایت ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایسے حضرات عقیدے کے باب میں صحیح سے صحیح ترین حدیث کو خبر واحد کہہ کر رد کرنے میں نہیں ہچکچاتے لیکن اپنے مطلب کی دلیل سادھنے کے لئے منکر اور موضوع روایات سے بھی استدلال کرنے سے نہیں چوکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں ہدایت دے۔

لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم نصوص کتاب وسنت کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھیں، اور ان پر عمل پیرا ہوں۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں کتاب وسنت کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ہر دن ہزاروں نیکیوں سے محروم
نماز میں رفع الیدین نہ کرنے والے

کفایت اللہ سنابلی

نماز کے اندر درج ذیل چار مقامات میں سے کوئی بھی مقام جب بھی آئے اس وقت رفع الیدین کرنا مشروع ہے:

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) رکوع میں جاتے وقت (۳) رکوع سے سر اٹھاتے وقت (۴) پہلے تشہد کے بعد تیسری رکعت کے شروع میں۔

☆ دلیل:

عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ "إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلاَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْه"، وَرَفَعَ ذَالِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: "عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب رکوع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے" اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس عمل کو رسول اللہ ﷺ تک مرفوع بیان کرتے (یعنی کہتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے)۔[صحیح بخاری: كتاب الأذان: باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين، حديث نمبر: ۷۳۹]

قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ رب العالمین کے یہاں ہر مسنون عمل پر دس نیکیاں ہیں، نماز میں رفع الیدین کرنا بھی ایک مسنون عمل ہے لہٰذا یہ عمل جتنی بار بھی ثابت ہے، ہر بار اسے انجام دینے پر دس نیکیاں حاصل ہوں گی۔ تفصیل ملاحظہ ہو

☆ فرمان الٰہی:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ "جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیاں ملیں گی" [الانعام: ۱۶۰]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسنون عمل پر دس نیکیاں ملتی ہیں، آپ نے اس آیت کی روشنی میں ارشاد فرمایا کہ جوشخص شوال کے چھ روزے رکھے گا اسے (۶×۱۰=۶۰) ساٹھ روزے یعنی دو ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"وَصِيَامُ السِّتَّةِ أَيَّامٍ بِشَهْرَيْنِ" "یعنی شوال کے چھ دنوں کا روزہ رکھنے سے دو ماہ کے روزوں کا ثواب ملتا ہے" [صحیح ابن خزيمة :۲۹۸/۳، رقم :۲۱۱۵،و اسناده صحيح]

نیز فرمایا:

جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو اسے پورے سال کے روزوں کا ثواب ملے گا،۔(جو ایک نیکی کرتا ہے اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے)[الانعام: ۱٦۰][و سنن ابن ماجه: كتاب الصوم:باب ستة ايام من شوال ،رقم: س :۱۷۱۵، و اسناده صحيح]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ کے یہاں ہر مسنون عمل پر دس نیکی ہے، رفع الیدین بھی ایک مسنون عمل ہے لہٰذا ہر رفع الیدین پر بھی دس نیکیاں ملیں گی۔

☆فرمان رسول ﷺ:

عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله:" يكتب فى كل إشارة يشير الرجل بيده فى صلاته عشر حسنات ،كل إصبع حسنة"

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:"آدمی اپنی نماز میں جتنی بار بھی اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے اسے ہر بار دس نیکیاں ملتی ہیں، ایک انگلی کے بدلے ایک نیکی (یعنی جب ایک بار دونوں ہاتھ اٹھانے میں دس نیکیاں ہیں تو چونکہ دونوں ہاتھ میں دس انگلیاں ہوتی ہیں اس لحاظ سے گویا کہ ہر انگلی کے حصہ میں ایک نیکی آرہی ہے)" [رواه الديلمى: ج:٤،ص:٣٤٤، الفوائد الابن ابى عثمان البحرى:ق:٢/٣٩،انظر الصحيحة:٨٤٨/٧،رقم:٣٢٨٦]

☆فرمان صحابی:

عن عقبة بن عامر قال:"أنه يكتب فى كل اشارة يشيرها الرجل بيده فى الصلاة بكل اصبع حسنة أو درجة"

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:"نماز میں جو اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے اسے ہر (مسنون) اشارے کے

بدلے ایک انگلی پر ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے (یعنی دونوں ہاتھ جب بھی اٹھائیں گے تو دونوں ہاتھ کی دس انگلیوں پر دس نیکیاں ملیں گی' [المعجم الكبير: ج:١٧، ص: ٢٩٧، حديث نمبر: ٨١٩، وسنده حسن]

رسول اکرم ﷺ کی مذکورہ حدیث اوراس کے راوی صحابی رسول عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول میں اشارہ سے مراد نماز کا رفع الیدین ہے، جیسا کہ خود صحابی عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہی سے اس کی وضاحت منقول ہے۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

قال إسحاق: وقال عقبة بن عامر الجهني صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم :"إذا رفع يديه عند الركوع، وعند رفع رأسه من الركوع ، فله بكل إشارة عشر حسنات"

یعنی امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے کہا کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب رکوع سے پہلے اور بعد رفع الیدین کیا جائے تو ہر اشارے کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں' [معرفة السنن والآثار للبيهقي: ج:٢، ص: ٤٣٥، ح: ٨٤١]

نیز محدثین نے بھی مذکورہ حدیث اور اثر صحابی کا یہی مفہوم سمجھا ہے مثلاً:

☆ (۱) امام احمد رحمہ اللہ رفع الیدین کی بحث میں فرماتے ہیں:

"يروى عن عقبة بن عامر انه قال فى رفع اليدين فى الصلاة له بكل اشارة عشر حسنات"

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے نماز میں رفع الیدین کے بارے میں کہا: ''رفع الیدین کرنے والے کو ہر اشارے کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں' [مسائل أحمد بن حنبل رواية ابنه عبد الله :ص: ٧٠]

☆ (۲) امام بیہقی رحمہ اللہ رفع الیدین کی بحث میں فرماتے ہیں:

"والذى حكاه إسحاق الحنظلي عن عقبة بن عامر يؤكد ما حكينا عن الشافعي فى معنى الرفع وما يرجى فيه من ثواب الله عز وجل"

''امام اسحاق الحنظلی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جسے ہم نے امام شافعی رحمہ اللہ سے رفع الیدین کے سلسلے میں نقل کیا کہ اس پر اللہ کی طرف سے ثواب ملتا ہے' [معرفة السنن والآثار للبيهقي: ج:٢، ص: ٤٣٥، ح: ٨٤١]

☆ (۳) امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت رفع الیدین کے سلسلے میں ذکر کی ہے۔ [معرفة السنن

والآثار البيهقي: ج:٢، ص: ٤٣٥، ح: ٨٤١]

☆ (۴) امام ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ روایت رفع الیدین کے باب میں ذکر کی ہے۔[مجمع الزوائد: ج:٢، ص:١٠٣]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز کے ہر مسنون رفع الیدین پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اب آیئے دیکھتے ہیں کہ رفع الیدین کرنے والے حضرات دن رات کی نماز میں کتنی بار رفع الیدین کرتے ہیں اور کتنا ثواب حاصل کرتے ہیں، اس کے لئے ذیل کا جدول ملاحظہ کیجیے:

نمازیں		فرائض	سنن مؤکدہ		دیگر سنن	کل رفع الیدین	ثواب
			پہلے	بعد میں			
فجر	تعداد رکعات	2	2	×	×		
	تعداد رفع الیدین	5	5	×	×	10	100=10×10
ظہر	تعداد رکعات	4	4	2	2 بعد میں		
	تعداد رفع الیدین	10	10	5	5	30	300=10×30
عصر	تعداد رکعات	4	×	×	4 پہلے		
	تعداد رفع الیدین	10	×	×	10	20	200=10×20
مغرب	تعداد رکعات	3	×	2	2 پہلے ☆		
	تعداد رفع الیدین	8	×	5	5	18	180=10×18
عشاء	تعداد رکعات	4	×	2	2 پہلے ✿ [3=1+2 وتر]		
	تعداد رفع الیدین	10	×	5	13=3+5+5	28	280=10×28

کل ثواب 1060 نیکیاں

☆ بخاری:- كتاب الجمعة: باب الصلاة قبل المغرب برقم 1183۔

مسلم:- كتاب صلاة المسافرين... باب استحباب ركعتين قبل صلاة المغرب برقم 837۔

✿ عن عبد الله بن الزبير قال قال رسول الله ﷺ ما من صلاة مفروضة إلا وبين يديها ركعتان

ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعت سنت ہے۔

[صحيح ابن حبان (الاحسان): رقم ٢٤٥٥ وفي نسخة: ٢٤٤٦ و اسناده صحيح]

مذکورہ جدول سے واضح ہے کہ رفع الیدین کرنے والے نمازی ہر دن عام نوافل کے علاوہ صرف پانچ نمازوں ہی میں ۱۰۶۰ نیکیاں حاصل کرتے ہیں، جب کہ رفع الیدین نہ کرنے والے نمازی ہر دن ہزاروں سے زائد نیکیوں سے محروم رہتے ہیں یہ صرف ایک دن کی محرومی ہے، پورے سال اور پوری عمر کی محرومی کا اندازہ آپ خود لگالیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ رفع الیدین نہ کرنا کتنے بڑے خسارہ کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس خسارہ سے بچائے، آمین۔

نویں قسط

علم عقیدہ کی چند اہم مصطلحات

عبیداللہ الباقی اَسلم

اهل السنة والجماعة کی وسطیت: (پهلا حصه)

دوسری امتوں کے درمیان امت مسلمہ کی وسطیت کے چند جوانب کو اس سلسلے کی آٹھویں قسط میں اجاگر کیا گیا تھا، اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ''علم عقیدہ کی چند مصطلحات'' کی نویں قسط میں اہل السنہ والجماعہ واہل الحدیث کی وسطیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یقیناً امت مسلمہ میں خیریت کے سب سے زیادہ حقدار، اتباعِ کتاب وسنت کے حقیقی سعادت مند، میدانِ قول و عمل اور اعتقاد میں کتاب وسنت کو اپنانے کی حرص رکھنے والے دراصل اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، اور تبع تابعین رحمہم اللہ ہیں، جن کے لئے نبی کریم ﷺ نے خیریت کی شہادت دی ہے:

''خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ''

''سب سے بہترین لوگ وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے'' [صحيح البخاري: ح: ٣٦٥١، وصحيح مسلم: ح: ٢٥٣٣]

یہی لوگ امت کے سب سے بہترین لوگ ہیں، پھر اس زمرے میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہیں، جو ان کے منہج پر چلتے ہیں، جنہوں نے کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے، اور اس میں زمان ومکان کی کوئی قید نہیں ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ''فرقۂ ناجیہ'' اور ''جماعت'' کہا گیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''من قال بالكتاب والسنة والإجماع كان من أهل السنة والجماعة''

''جو کتاب وسنت اور اجماع (سلف) کے مطابق باتیں کرتا ہے وہ اہل السنہ والجماعہ میں سے ہے'' [مجموع الفتاوى: ٣٤٦/٣]

چنانچہ اہل السنہ والجماعہ واہل الحدیث ہی کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے والے، اور منہجِ صحابہ کرام، اور سلفِ امت کے پیروکار ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"هم أهل الحديث والسنة العاملون بطريقهم (الصحابة رضى الله عنهم)، وهم أهل العلم بالكتاب والسنة فى كل عصر ومصر، وهم أفضل الخلق من الأولين والآخرين"

"اور وہ اہل حدیث وسنت ہیں، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق عمل کرنے والے ہیں، اور ہر زمانہ اور ہر شہر میں وہ کتاب وسنت کے علم والے رکھنے والے ہیں، اور وہی اولین و آخرین میں سب سے افضل ہیں" دیکھیں: [شرح العقيدة الأصهفانية:ص:۱۸۰]

اہل السنہ والجماعہ اس امت کے دیگر تمام فرقوں کی بنسبت وسطیت پر قائم ہیں، جس طرح امت مسلمہ دوسری امتوں کے درمیان اہل وسط ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اہل السنہ والجماعہ کے منہج کے بارے میں فرماتے ہیں:

بلکہ وہ امت کے (تمام) فرقوں میں اہل وسط ہیں، جیسے امت (مسلمہ) تمام امتوں میں وسطیت پر قائم ہے پس وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے باب میں اہل تعطیل جہمیہ اور اہل تمثیل مشبہ کے درمیان وسطیت پر ہیں۔

اور اللہ کے افعال میں قدریہ وجبریہ کے درمیان وسطیت پر ہیں۔

اور اللہ کی وعید کے باب میں مرجئہ اور وعیدیہ یعنی قدریہ وغیرہم کے درمیان وسطیت پر ہیں۔

اور ایمان ودین کے باب میں حروریہ ومعتزلہ اور مرجئہ وجہمیہ کے درمیان وسطیت پر ہیں۔

اور اللہ کے رسول ﷺ کے اصحاب کے سلسلے میں روافض وخوارج کے درمیان وسطیت پر گامزن ہیں۔ [العقيدة الواسطية (ضمن المتون العلمية): ص:۱۳۴-۱۳۵]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کے اس قول سے اہل السنہ والجماعہ کا منہج واضح ہے، مذکورہ نکات کے مقاصد کو سمجھنا ہی دراصل وسطیت کے باب میں اہل السنہ والجماعہ کے منہج کو سمجھنا ہے، بنا بریں ان سطور میں انہی نکات کی روشنی میں جماعت حقہ اہل السنہ والجماعہ واہل الحدیث اور مختلف فرق باطلہ کی امتیازی خصوصیات کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔

اہل السنہ والجماعہ کی وسطیت کے چند مظاہر:

أولاً: اللہ کے اسماء وصفات میں اہل السنہ والجماعہ اہل نفی وتعطیل، اور اہل تشبیہ وتمثیل کے درمیان وسطیت کے حامل ہیں۔

اہل السنہ والجماعہ ان تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیا پر بغیر تحریف وتعطیل، اور بغیر تشبیہ وتمثیل کے ایمان رکھتے ہیں، جن کو اللہ نے اپنے لئے، یا اس کے رسول ﷺ نے اس کے لئے ثابت کیا ہے، اور ساتھ ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو مخلوقات

کی مماثلت سے مبرا مانتے ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾

''اس کی طرح کوئی چیز نہیں، وہ سننے والا دیکھنے والا ہے'' [سورة الشورى: ١١]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور اللہ پر ایمان میں سے (یہ بھی) ہے کہ: ان تمام صفات پر بغیر تحریف وتعطیل اور بغیر تکییف وتمثیل کے ایمان رکھا جائے، جن سے اللہ نے خود کو متصف فرمایا ہے، اور اس کے رسول ﷺ نے جن (صفات) سے اللہ کو موصوف فرمایا ہے'' [العقيدة الواسطية (ضمن المتون العلمية)، ص: ١٠٢]

اہل السنہ والجماعہ اسماء وصفات کے باب میں اہل نفی وتعطیل، اور اہل تشبیہ وتمثیل کے مقابلے میں راہ اعتدال پر ہیں، کیونکہ:

۱۔ اہل تعطیل، جنہوں نے اللہ کے تمام نام وصفات کا انکار کیا، یا ان میں سے بعض کا انکار کیا:

أ۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے تمام نام وصفات کا انکار کیا، جیسے: جہمیہ۔

ب۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے نام کو ثابت کیا مگر تمام صفات کا انکار کیا، جیسے: معتزلہ۔

ج۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے نام اور بعض صفات کو ثابت کیا، اور بعض صفات کا انکار کیا، جیسے: اشعریہ اور ماتریدیہ۔

۲۔ اہل تشبیہ وتمثیل، جنہوں نے اللہ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی، جیسے: کرامیہ، اور ہشامیہ وغیرھم (تفصیل کے لئے رجوع کریں: [الإرشاد إلى صحيح الاعتقاد للدكتور صالح الفوزان: ص: ١٥٦-١٥٧]

اللہ کے نام وصفات کا انکار کرنا کفر ہے، چنانچہ امام لالکائی رحمہ نے بیان کیا ہے کہ پانچ سو علماء کرام نے جہمیہ کی تکفیر کی ہے۔ دیکھیں: [شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة: ٣٤٢/٢]

ان میں سے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**الجهمية كفار**'' [السنة للخلال: ٩٣/٦، والإبانة لابن بطة: ٥٦/٢]

اور یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**لعن الله جهماً، ومن قال بقوله كان كافراً جاحداً**''

''اللہ غارت کرے جہم کو، اور جو بھی اس کی بات (واعتقاد) کے مطابق بات کرے گا وہ کافر منکر ہے'' [السنة للخلال: ٨٧/٥، و الإبانة لابن بطة ٩٢/٢]

جہمیہ ومعطلہ کی گمراہی کی بنیادی وجہ ذات وصفات کے درمیان فرق کرنا ہے، جو کہ سراسر باطل ہے، یہی وجہ ہے

کہ ائمہ سلف نے اس کی خوب تردید کی ہے، چنانچہ عبدالعزیز الکنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وكلامه خارج عن الأشياء المخلوقة، كما أن نفسه خارجة عن الأنفس الميتة“

”اور جس طرح اس کا کلام تخلیق شدہ چیزوں سے خارج ہے، ایسے ہی اس کا نفس مرنے والے نفوس سے خارج ہے“ [الحيدة والاعتذار في الرد على من قال بخلق القرآن: ص:٥٣-٥٤]

اور ابونصر سجزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **”ومنكر الصفة كمنكر الذات“** [رسالةالسجزي إلى أهل زبيد في الرد على أنكر الحرف والصوت: ص:١٥٣] اور منکرِ صفت کا حکم منکرِ ذات ہے۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **”القول في الصفات كالقول في الذات“**

”صفات وذات میں بات کرنے کا حکم ایک ہی درجے کا ہے“ [مجموع الفتاوى:٢٥/٣]

خلاصہ یہ ہے کہ صفات کا حکم ذات کی طرف لوٹتا ہے، کیونکہ صفت ذات کے ساتھ قائم ہوتی ہے، لہٰذا جو حکم ذات کا ہوگا، وہی حکم صفت کا بھی ہوگا۔

اشعریہ و ماتریدیہ نے بعض صفات کو ثابت کیا ہے اور بعض کا انکار کیا ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”القول في بعض الصفات كالقول في البعض الآخر“ [الرسالة التدمرية:ص:٣١] ، حقیقت اور مقتضیات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ساری صفتوں کا ایک ہی حکم ہے، کیونکہ ہر ذات صفت کو مستلزم ہے، اور ہر ذات کی صفت اسی کے لائق ومناسب ہوا کرتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات خواہ ذاتیہ ہوں یا فعلیہ، تمام صفتوں کو اس کے لئے ثابت کرنا ضروری ہے، انواع صفات میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

مشبّہ وممثلہ نے اللہ کی صفات کو اس طرح سے ثابت کیا کہ مخلوق کی صفات سے اس کی مماثلت لازم آتی ہے، جیسے: یہ کہنا کہ: اللہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھوں جیسا ہے۔

یقیناً اہل تشبیہ وتمثیل کا مذہب باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ کے مشابہ کوئی بھی چیز نہیں ہوسکتی ہے۔

چنانچہ امام طحاوی رحمہ للہ فرماتے ہیں:

”إن الله واحد لا شريك له، ولا شيء مثله، ولا شيء يعجزه، ولا إله غيره“ ”اللہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور نہ ہی اس جیسی کوئی چیز ہے، اور نہ کوئی شی اسے عاجز کرسکتی ہے، اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی معبود برحق ہے“ [العقيدة الطحاوية (ضمن المتون العلمية): ص:١٣٢]

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فھو سبحانه لا يقاس به غيره، ولا يمثل به سواه، إذا ليس كمثله شيء“

”وہ ذات پاک ہے جس کے ساتھ کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے، اور اس کے ذریعہ کسی کی مثال دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس جیسی کوئی چیز ہے ہی نہیں“ [قاعدة عظيمة فى الفرق بين عبادات أهل الإسلام والإيمان وبين عبادات أهل الشرك والنفاق:ص:۱۳۳]

ایک اور جگہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فكما نتيقن أن اللّٰه سبحانه له ذات حقيقة، وله أفعال حقيقة، فكذالك له صفات حقيقة، و ليس كمثله شيء لا فى ذاته، ولا فى صفاته، ولا فى أفعاله“

”تو جس طرح ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی حقیقی ذات ہے، اور اس کے حقیقی افعال ہیں، لہٰذا اسی طرح اس کی حقیقی صفات ہیں، اور اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے نہ اس کی ذات میں، اور ان اس کی صفات میں، اور نہ ہی اس کے افعال میں“ [الفتاوى الحموية:ص:۹۲]

ثابت ہوا کہ اللہ عزوجل کی ذات وصفات، اور اسماء وافعال میں کسی کو مماثل ومشابہ قرار دینا باطل ہے۔ کیونکہ:

☆ وہ تنہا واکیلا ہے، اور اس جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔

☆ کسی نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے خود اور نہ اس کے رسول ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ عزوجل جیسا کوئی اور بھی ہوسکتا ہے۔

[القواعد المثلى فى صفات اللّٰه و أسمائه الحسنى:ص:٦٦]

اور یہ معلوم ہے کہ کسی بھی چیز کو تشبیہ دینے سے قبل مذکورہ تینوں امور میں سے کم سے کم ایک کا ہونا ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تینوں امور ہی مفقود ہیں، پھر بھی اگر کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کسی کا مشابہ قرار دیتا ہے یا کسی کو اللہ تعالیٰ کی کسی بھی خصوصیت میں مشابہ سمجھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ باطل ہے، جس پر مندرجہ ذیل اصول دلالت کرتے ہیں:

☆ اللہ کا کوئی مثیل نہیں ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ ”اس کی طرح کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے“ [سورة الشورىٰ:۱۱]

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کوئی بھی نہیں کرسکتا ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

''(وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتی ہیں، اور وہ نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے، اور وہ ظاہر و باطن تمام امور کی خبر رکھنے والا ہے'' [سورة الأنعام:۱۰۳]

☆ لہٰذا نہ اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے مشابہ قرار دینا، اور نہ کسی مخلوق کو اللہ عزوجل کے مشابہ قرار دینا جائز ہے:

﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

''تو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو، بے شک اللہ (ہی بہتر) جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ہو'' [سورة النحل: ۷٤]

فتنۂ تشبیہ سے بچنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ اس بات پر یقین واعتقاد رکھا جائے کہ:

☆ خالق کی صفات کا لازم: کمال ہے۔

☆ مخلوقات کی صفات کا لازم: نقص ہے۔

لہٰذا خالق ومخلوقات کی صفات کے درمیان مماثلت ممکن ہی نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾

''کیا تم اس کے کسی مثیل وشبیہ کو جانتے ہو؟'' [سورة مريم:٦٥]

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر صفت اپنے موصوف کے لائق ومناسب ہوا کرتی ہے، چنانچہ صفات کے باب میں مندرجہ ذیل اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے:

☆ بعض صفات خالق ومخلوق کے لئے ثابت ہیں، جیسے سننا، دیکھنا، باتیں کرنا وغیرہ (لہٰذا خالق کی صفات اس کے مناسب ہیں، جبکہ مخلوقات کی صفات ان کے مناسب ہیں)

☆ وہ صفات جو صرف خالق کے لئے خاص ہیں، جیسے: صفت خلق، ملک، اور تدبیر وغیرہ۔

☆ وہ صفات جو مخلوقات کے لئے خاص ہیں، جیسے: صاحب اہل وعیال ہونا۔

یہ چند بنیادی اصول ہیں جن کے ذریعہ سے فتنۂ تشبیہ وتمثیل سے بچا جاسکتا ہے، اور اس باب میں راہ اعتدال کو اپنایا جاسکتا ہے، ساتھ ہی اہل السنہ والجماعہ کے ان تین بنیادی اصولوں کو بھی اپنانا ضروری ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کو ثابت کرنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کے عیوب ونقائص سے منزہ وپاک قرار دینا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کی کیفیت کی معرفت کے بارے میں حرص نہ رکھنا۔ دیکھیں: [منهج ودراسات لآيات الأسماء والصفات:ص:١١٧]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأهل السنة يقولون: إن تنزيهه سبحانه عن العيوب والنقائص واجب لذاته، كما أن إثبات صفات الكمال والحمد واجب له لذاته، وهو أظهر في العقول، والفطر، و جميع الكتب الإلهية، و أقوال الرسل من كل شيء"

"اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کو عیوب ونقائص سے منزہ قرار دینا اسی طرح واجب ہے، جس طرح صفات کمال کو اس کے لئے ثابت کرنا اور محبت وتعظیم کے ساتھ اس کی تعریف کرنا واجب ہے، اور یہ (بات) عقلوں، فطرتوں، تمام کتب الٰہی، اور رسولوں کے ارشادات میں ہر چیز سے واضح وعیاں ہے" [إغاثة اللهفان في مصايد الشيطان:ص:٩٨٠]

ان تینوں اصولوں میں پہلی اور دوسری اصل پر اکثر فرقے متفق ہیں، مگر تیسری اصل میں اختلاف کی وجہ سے اہل تعطیل واہل تمثیل گمراہ ہوئے ہیں۔

اثبات کمال اور دعویٰ تنزیہ:

اً۔ اثبات کمال:

اللہ عزوجل صفات کمال سے متصف ہے؛ لہٰذا ہر فرقے نے اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کمال کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ب۔ دعویٰ تنزیہ:

ہر فرقہ اس بات کا دعویدار ہے کہ اللہ عزوجل ہر طرح کے نقائص وعیوب سے پاک ومنزہ ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اہل تعطیل واہل کلام نے "تنزیہ" پر غلو کرتے ہوئے "**تعدد قدماء يا دليل تجسيم يا حلول الحوادث**"، وغیرہ عقلی دلائل کے ذریعہ صفات الٰہیہ کا انکار کیا ہے۔

دوسری جانب اہل تشبیہ وتمثیل نے "کمال صفات" کے اثبات پر غلو سے کام لیا حتیٰ کہ وہ یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ اللہ عزوجل کی صفات مخلوق کی صفات جیسی ہیں۔

بناء بریں ایک طرف تمام فرقے ان دونوں امور "**تنزيه الله عن النقائص والعيوب، و إثبات صفات الكمال له**"، پر متفق ضرور ہیں، مگر یہی دونوں امر اہل تعطیل واہل تشبیہ کے یہاں نفی صفات کے لئے محرک ثابت

ہوئے۔

لہٰذا حق یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ان تمام صفات کو بلاتحریف وتعطیل اور بلاتکییف وتمثیل کے ثابت کیا جائے جن کا ذکر کتاب وسنت میں آیا ہے، اور ان تمام صفات کی نفی کی جائے جن کی نفی کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہے، ساتھ ہی ان کی ضد کمال (مثلاً ظلم کی ضد عدل) کو ثابت کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ:

اسماء وصفات کے باب میں اہل السنہ والجماعہ کی امتیازی خصوصیت دو اُصل الاُصول پر مبنی ہے:

أ۔ اِثبات بلاتشبیہ (جن صفات کا ذکر کتاب وسنت میں آیا ہے، انہیں بلاتکییف وتمثیل ثابت کیا جائے)

ب۔ تنزیہ بلاتعطیل (جن صفات کی نفی کتاب وسنت میں وارد ہوئی، صرف انہی صفات کی نفی کی جائے، دیگر دلائل عقلیہ کے ذریعہ باقی صفات مثبتہ کی نفی نہ کی جائے۔

اور اسی کی طرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے:

"ومذهب السلف بين التعطيل والتمثيل، فلا يمثلون صفات الله بصفات خلقه، كما لا يمثلون ذاته بذات خلقه، ولا ينفون عنه ما وصف به نفسه أو وصفه به رسوله صلى الله عليه وسلم"

"اور مذہب سلف تعطیل اور تمثیل کے درمیان قائم ہے، چنانچہ وہ اسی طرح اللہ کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہ نہیں قرار دیتے ہیں، جس طرح وہ اللہ کی ذات کو اس کی مخلوق کی ذات کے مماثل نہیں قرار دیتے ہیں، اور نہ ہی ان صفات کی نفی کرتے ہیں جن سے اس نے خود کو متصف کیا ہے یا جن سے اس کے رسول ﷺ اسے موصوف فرمایا ہے" [الفتاوى الحموية:ص:٩٣]

اور اسی لئے کہتے ہیں کہ اسماء وصفات کے باب میں اصل جامع اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾

"اس کی طرح کوئی چیز نہیں، اور وہ سننے اور دیکھنے والا ہے" [سورة الشورىٰ:١١]

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ کے ذریعہ ممثلہ کی تردید کی گئی ہے، جبکہ ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ کے ذریعہ اہل تعطیل کی تردید کی گئی ہے۔ دیکھیں: [التنبيهات السنية على العقيدة الواسطية:ص:١٨٥]

جاری ہے.....................

(دوسری قسط)

کتاب ''چار دن قربانی'' پر اعتراضات کے جوابات

زبیر یحییٰ عالیاوی

احادیث صحیحہ:

پہلی حدیث:

أخبرنا أحمد بن الحسن بن عبد الجبار الصوفی ببغداد، حدثنا أبو نصر التمار عبد الملک بن عبد العزیز القشیری فی شوال سنة سبع وعشرین ومئتین، حدثنا سعید بن عبد العزیز، عن سلیمان بن موسی، عن عبد الرحمن بن أبی حسین، عن جبیر بن مطعم قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ''کل عرفات موقف، وارفعوا عن عرنة، وکل مزدلفة موقف، وارفعوا عن محسر، فکل فجاج منی منحر، وفی کل أیام التشریق ذبح''

صحابی رسول جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پورا عرفات وقوف کی جگہ ہے اور عرنہ سے ہٹ کر وقوف کرو اور پورا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے اور وادی محسر سے ہٹ کر وقوف کرو اور منیٰ کا ہر راستہ قربانی کی جگہ ہے اور تشریق کے تمام دن ذبح کرنے کے دن ہیں'' [صحیح ابن حبان: ۱٦٦/۹، رقم: ۳۸۵٤]

یہ حدیث صحیح ہے، اس کے سارے رجال ثقہ اور سند بھی متصل ہے، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

ایک دلچسپ اعتراض:

بلال صاحب لکھتے ہیں:

امام ابن عدی نے زیر بحث روایت کو اپنی کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال میں ذکر کیا ہے، اور سنابلی صاحب نے لمبی بحث کر کے لکھا کہ جس روایت کو ابن عدی کامل میں ذکر کریں وہ ان کے نزدیک منکر و مردود ہوتی ہے (یزید بن معاویہ: ص: ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳) لیکن یہاں اسی منکر و مردود روایت کو بڑے دھڑلے سے دلیل کے طور پر بھی پیش کر رہے ہیں۔ (چار دن قربانی: ص: ٦١)

پہلا جواب:

اس دلچسپ اعتراض کا اسی لہجے میں دلچسپ جواب بھی سنئے!

امام ابن حبان نے زیر بحث حدیث کو اپنی کتاب صحیح میں ذکر کیا ہے اور حافظ زبیر علی زئی صاحب نے کئی جگہ لکھ رکھا ہے کہ جس روایت کو امام ابن حبان صحیح میں ذکر کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ [مقالات: ج: ۱، ص: ۵۲، ص: ۸٦، القول المتين :ص: ٢٦، مسئله فاتحه خلف الامام: ص: ٤٦] لیکن یہاں اسی صحیح روایت کو بڑے دھڑلے سے ضعیف کہہ ڈالا۔

اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے بے شمار مقامات پر صحیح ابن حبان میں کسی حدیث کے مذکور ہونے پر یہ لکھا ہے کہ ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، یعنی بقول زبیر علی زئی صاحب جس روایت کو امام ابن حبان صحیح میں ذکر کریں وہ ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔

اگر کہا جائے امام ابن حبان کی نظر میں صحیح ہونے سے ضروری نہیں ہے کہ حافظ زبیر علی زئی صاحب کی نظر میں بھی وہ صحیح ہو اس لئے وہ دلائل سے اختلاف کر سکتے ہیں، تو یہی معاملہ شیخ سنابلی کا بھی ہے کہ ابن عدی کی نظر میں کسی روایت کے منکر ہونے سے ضروری نہیں ہے کہ شیخ سنابلی کی نظر میں بھی وہ منکر ہو اس لئے وہ دلائل سے اختلاف کر سکتے ہیں۔

خود زبیر علی زئی صاحب نے الکامل میں کسی روایت کے مذکور ہونے سے اسے امام ابن عدی کی نظر میں ضعیف بتلایا ہے ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

جلیل القدر محدثین کرام نے خاص طور پر صالح مولی التوأمہ کی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

[مقالات: ج: ۳، ص: ۲۰۷]

اس کے بعد موصوف نے نمبر زڈال کر ساتویں نمبر پر ابن عدی کا نام گنایا ہے۔ [مقالات: ج: ۳، ص: ۲۰۷]

اور اپنی تائید میں علامہ عینی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابن عدی نے اسے صالح کی منکر روایات میں شمار کیا ہے۔

[ایضاً: ج: ۳، ص: ۲۰۸]

حالانکہ امام ابن عدی نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد خاص اس روایت کو صراحتا منکر نہیں کہا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے: (ندیم ظہیر صاحب کی تیسری تحریر کا جواب از شیخ سنابلی: ص: ۸، ۹)

اس حوالہ سے ثابت ہوا کہ شیخ سنابلی کی طرح حافظ زبیر علی زئی صاحب بھی یہ مانتے ہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ اپنی کتاب الکامل میں راوی کے ترجمہ میں عموما منکر احادیث ہی ذکر کرتے ہیں۔

اب بتلایئے کہ کیا اس کے بعد حافظ زبیر علی زئی صاحب الکامل کی کسی حدیث کو اپنی تحقیق کے مطابق صحیح نہیں کہہ سکتے؟ بلکہ انہوں نے اپنے مذکورہ کلام کے باوجود بھی الکامل کی کئی احادیث کو صحیح کہا ہے یہی معاملہ شیخ سنابلی کا بھی ہے۔

دوسرا جواب:

پہلا جواب یہ فرض کرکے دیا گیا ہے کہ امام ابن عدی نے اس روایت کو منکر مان کر ذکر کیا ہے۔لیکن ایسا بالکل نہیں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو سلیمان موسی کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے،شروع میں امام ابن عدی نے سلیمان بن موسی کے حالات کو بڑی تفصیل سے (ص:۲۲۶تا۲۳۲) بیان کیا ہے اوران کی توثیق اور علمی منزلت کو واضح کیا ہے۔

اس کے بعد سب سے پہلی حدیث ذکر کرکے سلیمان بن موسی کی متابعت پیش کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ سلیمان بن موسی اس کی روایت میں منفرد نہیں ہیں۔

اورآگے جن جن روایات پر کلام کیا ہے وہاں سلیمان موسی کے حق میں ہی بات کی ہے،اورآخر میں کہا ہے:

"ولسليمان بن موسى غير ما ذكرت من الحديث، وهو فقيه راو حدث عنه الثقات من الناس، وهو أحد علماء أهل الشام، وقد روى أحاديث ينفرد بها لا يرويها غيره، وهو عندي ثبت صدوق"

''سلیمان بن موسیٰ کی مذکورہ احادیث کے علاوہ اوراحادیث بھی ہیں اور یہ فقیہ راوی ہیں،ان سے ثقہ راویوں نے حدیث بیان کی ہے، یہ اہل شام کے علماء میں سے ہیں،انہوں نے کچھ منفرد احادیث بیان کی ہیں جنہیں ان کے علاوہ کوئی اور بیان نہیں کرتا، یہ میرے نزدیک ثبت اورصدوق ہیں''[الكامل لابن عدى:٥/٢٤١]

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ سلیمان بن موسی کو ثقہ وثبت مانتے ہیں،اوران کی منفرد روایت کو بھی حجت مانتے ہیں۔

اور یہ شیخ سنابلی کی بات کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ شیخ نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ابن عدی الکامل میں ہر راوی کے ترجمہ میں ضرور بالضرور منکر روایت ہی ذکر کرتے ہیں، بلکہ ان کے عمومی طرزعمل کی بات کی ہے اوراستثنائی صورت کو تسلیم کیا ہے، فلیح بن سلیمان کا ذکر ابن عدی نے الکامل میں کیا ہے اوراس کی دو احادیث ذکر کی ہیں،اس پر شیخ سنابلی لکھتے ہیں:

عرض ہے کہ ان دونوں روایات کی صحت کی طرف خود امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اشارہ کردیا ہے،اورہم ماقبل میں وضاحت کرچکے ہیں کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کے عمومی اصول سے ان روایات کو مستثنی قرار دیا جائے گا جن کے بارے میں خود امام ابن عدی رحمہ اللہ کتاب کے اندر صحت کا فیصلہ کردیں یا اس کی طرف اشارہ کردیں چنانچہ ان

دونوں روایات کی صحت کی طرف اشارہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے کر دیا ہے۔(حدیث یزید محدثین کی نظر میں: ص:۷۰)

یہی معاملہ سلیمان بن موسی کا بھی ہے۔اور اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام ابن عدی رحمہ اللہ کا مقصود اس حدیث کا دفاع ہی ہے، جیسا کہ فلیح بن سلیمان والی احادیث کا معاملہ ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے:(حدیث یزید محدثین کی نظر میں: ص:۷۰تا۷۲)

دوسری حدیث:

أخبرنا علي بن أحمد بن عبدان أخبرنا أحمد بن عبيد حدثنا الحارث بن أبي أسامة حدثنا روح بن عبادة عن ابن جريج أخبرني عمرو بن دينار أن نافع بن جبير بن مطعم رضی اللّٰہ عنه أخبره عن رجل من أصحاب النبي -صلى اللّٰہ عليه وسلم -قد سماه نافع فنسيته أن النبي-صلى اللّٰہ عليه وسلم -قال لرجل من غفار:" قم فأذن أنه لا يدخل الجنة إلا مؤمن وأنها أيام أكل وشرب .أيام منى زاد سليمان بن موسى: وذبح.يقول أيام ذبح ابن جريج يقوله"

ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غفاری صحابی سے کہا کہ:تم کھڑے ہو اور اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن ہی جائے گا اور ایام منی (ایام تشریق) یہ کھانے پینے کے دن ہیں، ابن جریج کہتے ہیں کہ ان کے استاذ سلیمان بن موسی نے اسی حدیث کو بیان کرتے ہوئے ''ذبح'' کے لفظ کا اضافہ کیا ہے، یعنی وہ یہ بھی روایت کرتے تھے کہ یہ ذبح کے دن ہیں۔[السنن الكبرىٰ للبيهقي :۲۹٦/۹،وسنده صحيح]

یہ حدیث صحیح ہے، اس سند کے سارے رجال ثقہ ہیں، اب اس پر بعض اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا اعتراض:

ابن جریج مدلس ہیں اور انہوں نے سماع کی صراحت نہیں ہے۔

جواب:

ابن جریج نے یہاں پر اپنے دو اساتذہ سے روایت بیان کی ہے، پہلے استاذ سے انہوں نے سماع کی صراحت کے ساتھ روایت بیان کیا ہے اس کے بعد اپنے دوسرے استاذ کی طرف سے اضافہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ سلیمان بن موسیٰ نے ذبح کی زیادتی بیان کی ہے۔

یہاں تدلیس کی گنجائش ہی نہیں ہے، کیونکہ امام ابن جریج رحمہ اللہ یہاں رواۃ کا اختلاف بتا رہے ہیں اور اضافہ کو بالجزم سلیمان بن موسی کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ایسے مواقع پر جب محدث اضافہ کو کسی راوی کی طرف منسوب

کرتا ہے تو اس کا مقصود ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ عین اس راوی کی نشاندہی کرے جس نے اضافہ بیان کیا ہے، لہٰذا یہاں تدلیس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض:

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"ولا لحق سليمان نافعًا "

''اور سلیمان کی نافع سے ملاقات نہیں ہے'' [المهذب فی اختصار السنن الكبير: ١٩٩٩/٤]

جواب:

امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸) سے پہلے کسی نے بھی نافع بن جبیر سے سلیمان بن موسی کی ملاقات کا انکار نہیں کیا ہے، مراسیل کی کئی کتب میں بعض رواۃ سے سلیمان موسی کی ملاقات کی نفی ہے، لیکن کسی نے بھی نافع بن جبیر سے سلیمان کی ملاقات کا انکار نہیں کیا ہے۔

بلکہ امام عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۰۰) نے تو صراحتاً نافع بن جبیر سے سلیمان بن موسی کے سماع کا اثبات کیا ہے، لکھتے ہیں:

" سليمان بن موسىٰ ......سمع عطا بن أبی رباح ، ونافعا مولى ابن عمر ، ونافع بن جبير بن مطعم"

'' سلیمان بن موسیٰ نے عطا بن ابی رباح، نافع مولی ابن عمر اور نافع بن جبیر بن مطعم سے سنا ہے'' [الكمال فی اسماء الرجال: ج:٥، ص:٣٠١]

مزید برآں یہ کہ ایک روایت میں سلیمان بن موسی نے نافع بن جبیر سے ڈائریکٹ سوال وجواب بھی کیا ہے۔

أخبرنا أبو سعد بن البغدادی أنا محمود بن جعفر الكوسج وإبراهيم بن محمد بن إبراهيم قالا أخبرنا إبراهيم بن عبد الله أخبرنا أبو بكر النيسابوری أخبرنا العباس بن الوليد هو ابن مزيد أخبرنی ابن شعيب عن النعمان بن المنذر عن سليمان بن موسى قال سألت نافعا عن قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلی بن أبی طالب فقال:" أخبرنی علی أن رسول الله صلى الله عليه وسلم :نهى عن لباس القسی وهو المضلع وعن التختم بالذهب وعن لباس المعصفر"

سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے سوال کیا، اللہ کے رسول ﷺ اس قول کے بارے میں جو علی رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تو نافع نے کہا کہ ”: مجھے علی رضی اللہ عنہ نے خبر دی کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑے، سونے کی انگوٹھی اور زرد رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے سے منع فرمایا“ [تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۳۱/٦٢، وسندہ صحیح]

اس روایت میں نافع سے مراد نافع بن جبیر ہی ہیں کیونکہ یہاں وہ ڈائریکٹ علی رضی اللہ عنہ سے سماع کی صراحت کے ساتھ روایت کر رہے ہیں، جبکہ نافع مولی ابن عمر یہ علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد نہیں ہیں۔

اور نافع بن جبیر یہ سلیمان بن موسی کے استاذ ہیں اور علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں جیسا کہ متعدد کتب رجال میں مذکور ہے۔

تیسری اور چوتھی حدیث

حدثنا جعفر، حدثنا دحيم، حدثنا محمد بن شعيب، عن الصدفي، عن الزهري، عن سعيد، عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: أيام التشريق ذبح .حدثناه عبد الله بن محمد بن سلم، حدثنا دحيم، حدثنا محمد بن شعيب، حدثنا معاوية بن يحيى، عن الزهري، عن ابن المسيب، عن أبي سعيد الخدري، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "أيام التشريق كلها ذبح"

دو صحابہ ابو ہریرہ اور ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہما اللہ کے نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحج) کے سارے دن ذبح (قربانی) کے دن ہیں“ [الكامل لابن عدی: ٦٦٥/٩، السنن الکبریٰ للبیهقی: ۲۹٦/۹]

یہ حدیث متصل و صحیح ہے، اس کی سند میں کوئی علت موجود نہیں ہے۔

پہلا اعتراض:

امام زہری مدلس ہیں، اور عن سے روایت کیا ہے۔

جواب:

امام زہری کا مدلس ہونا ثابت ہی نہیں ہے۔

بلال صاحب لکھتے ہیں:

امام ابوحاتم رازی ایک روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"**الزهری لم یسمع من عروة هذا الحدیث، فلعله دلسه**"[علل الحديث لابن أبي حاتم :۴۰۷/۳]

زہری نے یہ حدیث عروہ سے نہیں سنی شاید انہوں نے اس میں تدلیس سے کام لیا ہے۔(چار دن قربانی:ص:٦٦)

اس کا مفصل جواب محترم رضا حسن بھائی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

صرف تدلیس کا احتمال ہونے سے تدلیس ثابت نہیں ہوتی۔تدلیس کا ثابت ہونا ضروری ہے۔

اس کے برعکس جس روایت کی امام ابوحاتم بات کررہے ہیں اس میں امام زہری نے تدلیس کی ہی نہیں ہے بلکہ ان پر یہ الزام غلط ہے۔

جس روایت میں امام ابوحاتم نے امام زہری کی تدلیس کے شک کا اظہار کیا ہے وہ حدیث مکمل سیاق وسباق کے ساتھ اس طرح ہے:

حَدَّثَنَا عَفَّانُ ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، وَنُعْمَانُ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ عُرْوَةَ ، عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ:" مَا لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْلِمًا مِنْ لَعْنَةٍ تُذْكَرُ ، وَلَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ شَيْئًا يُؤْتَى إِلَيْهِ ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ، وَلَا ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا أَنْ يَضْرِبَ بِهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَلَا سُئِلَ شَيْئًا قَطُّ فَمَنَعَهُ إِلَّا أَنْ يُسْأَلَ مَأْثَمًا ، فَإِنَّهُ كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ ، وَلَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا......"

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:" نبی ﷺ نے اپنے کسی خادم یا کسی بیوی کو کبھی نہیں مارا، اور اپنے ہاتھ سے کسی پر ضرب نہیں لگائی الا یہ کہ راہ خدا میں جہاد کر رہے ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی بھی گستاخی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی سے کبھی انتقام نہیں لیتے تھے البتہ اگر محارم خداوندی کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لئے انتقام لیا کرتے تھے، اور جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو چیزیں پیش کی جاتیں، اور ان میں سے ایک چیز زیادہ آسان ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسان چیز کو اختیار فرماتے تھے، الا یہ کہ وہ گناہ ہو، کیونکہ اگر وہ گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے تھے"[مسند الامام احمد بن حنبل:۲۴۹۸۸۵]

ایک دوسری جگہ یہی روایت اس سند و متن سے مروی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:" مَا ضَرَبَ رَسُولُ

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ خَادِمًا لَهُ قَطُّ، وَلَا امْرَأَةً، وَلَا ضَرَبَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللہِ وَلَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ، إِلَّا كَانَ أَحَبُّهُمَا إِلَيْهِ أَيْسَرُهُمَا، حَتَّى يَكُونَ إِثْمًا، فَإِذَا كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ الْإِثْمِ، وَلَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ مِنْ شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ، حَتَّى تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَكُونَ هُوَ يَنْتَقِمُ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ"

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: "نبی ﷺ نے اپنے کسی خادم یا کسی بیوی کو کبھی نہیں مارا، اور اپنے ہاتھ سے کسی پر ضرب نہیں لگائی الا یہ کہ راہ خدا میں جہاد کر رہے ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی سے کبھی انتقام نہیں لیتے تھے البتہ اگر محارم خداوندی کو پامال کیا جاتا تو اللہ کے لئے انتقام لیا کرتے تھے۔ اور جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو چیزیں پیش کی جاتیں، اور ان میں سے ایک چیز زیادہ آسان ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسان چیز کو اختیار فرماتے تھے، الا یہ کہ وہ گناہ ہو، کیونکہ وہ گناہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی نسبت اس سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتے تھے" [مسند الامام احمد بن حنبل: ۲۵۹۵۶]

نیز دیکھیں: [مؤطا امام مالك: ۱۶۰۵، سنن الكبرىٰ للنسائی: ۹۱۶۳، مصنف عبد الرزاق: ۱۷۹۴۲، مسند اسحاق بن راهويه: ۸۱۲، مسند عبد بن حميد: ۱۴۸۱، سنن ابو داؤد: ۴۷۸۶، وغيره]

یہی وہ روایت ہے جس کے متعلق امام ابوحاتم نے یہ شک ظاہر کیا ہے کہ شاید زہری نے اس میں عروہ سے تدلیس کی ہے۔ جبکہ ان کا یہ شک صحیح نہیں ہے کیونکہ امام زہری نے اس روایت میں سماع کی صراحت کر دی ہے، چنانچہ یہی روایت اختلاف یسیر کے ساتھ اسی مخرج سے صحیح بخاری میں بھی مروی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: "مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللَّهِ، فَيَنْتَقِمَ بِهَا لِلَّهِ"

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو امر کے درمیان جب بھی اختیار دیا تو ان میں جو آسان صورت تھی اس کو اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوا گر وہ گناہ ہوتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے (یعنی سب سے زیادہ اس سے پرہیز کرتے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات کی

خاطر کبھی انتقام نہیں لیا مگر جو شخص حرمت الٰہیہ کی پردہ دری کرتا یعنی احکام الٰہی کے خلاف کرتا تو اللہ کی خاطر اس سے انتقام لیتے'' [صحیح بخاری:٦١٢٦، ٣٥٦٠، وغیرہ]

اور صحیح بخاری کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ اس میں روایات سماع پر محمول ہوتی ہیں۔ اگر ابھی بھی یقین نہیں ہوتا تو یہ لیں صراحت کے ساتھ سماع بھی دکھا دیتے ہیں: صحیح بخاری ہی میں یہ روایت ایک دوسری جگہ اختصار کے ساتھ مروی ہے اور اس میں امام زہری نے سماع کی صراحت بیان کردی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ:''مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ حَتَّى يُنْتَهَكَ مِنْ حُرُمَاتِ اللَّهِ، فَيَنْتَقِمَ لِلَّهِ'' [صحیح البخاری:٦٨٥٣]

مسند احمد میں بھی یہ روایت قدرے تفصیل سے مروی ہے اور اس میں بھی امام زہری کی تحدیث موجود ہے:

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْعَبَّاسِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُوَيْسٍ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ، أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ، قَالَتْ:''مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا، حَتَّى يَكُونَ إِثْمًا، فَإِذَا كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ مِنْ شَيْءٍ انْتُهِكَ مِنْهُ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةٌ هِيَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَيَنْتَقِمُ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا'' [مسند الامام احمد: ٢٤٨٣٠]

اس واضح تصریحِ سماع کے بعد امام ابوحاتم الرازی کے شک کے غلط ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا ہے بلکہ جس بنیاد پر امام ابوحاتم نے امام زہری کی تدلیس کے شک کا ظاہر کیا تھا وہ بنیاد ہی کھوکھلی اور غلط معلوم ہوتی ہے۔ امام ابوحاتم کے مطابق اس روایت میں زہری کی ہشام سے تدلیس کا احتمال ہے جبکہ اگر اس روایت کی تمام اسانید کو اکٹھا کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی نے بھی اس روایت میں تدلیس کی ہے تو وہ زہری نے نہیں بلکہ ہشام نے زہری سے کی ہے۔ اور محدثین نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ امام حاکم بیان کرتے ہیں کہ:

قَالَ أَبِي وَسَمِعْتُ يَحْيَى ، يَقُولُ: كَانَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ:''مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ ، وَمَا ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ .الْحَدِيثِ، قَالَ يَحْيَى :فَلَمَّا سَأَلْتُهُ ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ، لَمْ أَسْمَعْ مِنْ أَبِي إِلا هَذَا ، وَالْبَاقِي لَمْ أَسْمَعْهُ ، إِنَّمَا هُوَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ

أَحْـمَـدَ الـذُّهْـلِيُّ ، قَالَ:حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ السُّكَّرِيُّ ، قَالَ:ثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ ، قَالَ:قَالَ لَنَا ابْـنُ عُيَيْـنَةَ ، عَـنِ الزُّهْرِيِّ ، فَقِيلَ لَهُ :سَمِعْتَهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ ؟ فَقَالَ:لا وَلا مِـمَّنْ سَمِعَهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّزَّاقِ،عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ .

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام یحیٰی القطان فرماتے ہیں کہ ہشام نے یہ حدیث اپنے والد عروہ سے بواسطہ عائشہ روایت کی ہے۔ یحیی فرماتے ہیں کہ جب میں نے ہشام سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس روایت کا صرف پہلا حصہ ہی انہوں نے اپنے والد سے براہ راست سنا ہے جبکہ حدیث کا باقی حصہ انہوں نے زہری سے لیا ہے۔[معرفة علوم الحديث للحاكم:۲۱۸]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام زہری پر ایک ایسا الزام لگایا جارہا تھا جس میں ان کا کوئی قصور ہی نہیں تھا بلکہ الٹا انہوں نے تو خود سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔اور زہری نے ہشام سے نہیں بلکہ ہشام نے زہری سے تدلیس کی ہے۔

حتی کہ " **احـاديـث الـزهری المعله**" کے مصنف دکتور عبداللہ بن محمد حسن دمفو نے تو اس کلام کو امام ابوحاتم کی طرف منسوب کرنے سے بھی انکار کیا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"کـلام أبـی حـاتـم فيـه تـصـريـح بـنسبة التدليس إلی الزهری، والذی يظهر أنه سبق قلم من الـنـاسـخ، وأنـه أراد أن هشـامـا لـم يسـمع من عروة هذا الحديث فدلسه، كما تقدم بيانه قريبا، فيكون الزهری بريئا من هذه التهمة" والله اعلم.

"ابوحاتم کے کلام میں زہری کی طرف تدلیس کی نسبت کی گئی ہے جبکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ ناسخ کی طرف سے سبقت قلم کی غلطی ہے، اور اس کی مراد یہ ہوگی کہ ہشام نے یہ حدیث عروہ سے نہیں سنی اور تدلیس کر دی، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، پس زہری اس تہمت سے بری ہیں" واللہ اعلم ۔[احاديث الزهری المعله :ص:۱۳۰۹]

گویا ان کے نزدیک یہ کلام ہی امام ابوحاتم کا اپنا نہیں ہے بلکہ ناسخ کی غلطی ہے جبکہ اصل میں یہاں زہری کی جگہ ہشام کا نام ہونا چاہیے تھا۔لہٰذا اس قول سے امام زہری کی تدلیس کا ثبوت تو دور، اس قول کا ہی امام ابوحاتم کی طرف سے ہونا مشکوک ہے۔(ماہنامہ اہل السنہ:شمارہ:۴۸،ص:۲۶ تا ۲۸)

بلال صاحب امام زہری کی تدلیس پر امام طحاوی کا قول پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام طحاوی فرماتے ہیں:

"لم يسمعه الزهری من عروة إنما دلس به" [شرح معانی الآثار للطحاوی:۷۲/۱]

یہ حدیث زہری نے عروہ سے نہیں سنی ہے، اس میں تدلیس کی ہے۔ (چار دن قربانی: ص:٦٦)

اس کا جواب دیتے ہوئے محترم رضاحسن بھائی لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے امام زہری کی عروہ سے مس الذکر والی حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کو زہری نے عروہ سے براہ راست نہیں سنا بلکہ انہوں نے تدلیس کی ہے، اور اس تدلیس کو ثابت کرنے کے لیے علامہ طحاوی اگلی روایت زہری عن ابو بکر بن محمد بن عمرو عن عروہ سے روایت کرتے ہیں۔ گویا اگر زہری نے ایک روایت ابو بکر بن محمد عن عروہ اور عن عروہ دونوں طرق سے روایت کی تو امام طحاوی نے سمجھ لیا کہ زہری نے تدلیس کی ہے جبکہ اس میں ان کی کسی نے تائید نہیں کی ہے بلکہ الٹا امام ابن حزم نے ''المحلیٰ'' میں اس روایت کے متعلق فرمایا ہے کہ:

فَإِنْ قِيلَ: إِنَّ هَذَا خَبَرٌ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عُرْوَةَ، قُلْنَا: مَرْحَبًا بِهَذَا، وَعَبْدُ اللَّهِ ثِقَةٌ، وَالزُّهْرِيّ لا خِلافَ فِي أَنَّهُ سَمِعَ مِنْ عُرْوَةَ وَجَالَسَهُ، فَرَوَاهُ عَنْ عُرْوَةَ وَرَوَاهُ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عُرْوَةَ، فَهَذَا قُوَّةٌ لِلْخَبَرِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

اگر یہ کہا جائے کہ اس خبر کو زہری نے عن عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم عن عروہ سے روایت کی ہے، تو ہم کہتے ہیں: مرحبا بھذا اور عبداللہ ثقہ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ زہری نے عروہ سے سنا ہے اور ان کے پاس بیٹھے ہیں، تو انہوں نے اسے عروہ سے بھی روایت کر دیا اور عبداللہ بن ابی بکر عن عروہ سے بھی روایت کر دیا، لہٰذا یہ خبر کے لیے قوت کا باعث ہے، والحمد للہ رب العالمین۔ [المحلی بالآثار: ۲۲۱/۱]

چنانچہ امام طحاوی کے برعکس امام ابن حزم کے نزدیک اگر امام زہری نے ایک روایت کو عبداللہ بن ابی بکر عن عروہ سے اور پھر براہ راست عروہ سے بھی روایت کر دیا تو یہ ان کی تدلیس کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ زہری نے یہ روایت دونوں سے لی ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ جس روایت میں علامہ طحاوی نے امام زہری پر تدلیس کا الزام لگایا ہے اسی روایت کے ایک دوسرے طریق میں امام زہری نے خود امام عروہ بن زبیر سے سماع کی صراحت کر دی ہے۔

چنانچہ امام طبرانی روایت کرتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ النَّحْوِيُّ الصُّورِيُّ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدِّمَشْقِيُّ،

ثَـنَـا الْـوَلِـيـدُ بْـنُ مُسْلِمٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ نَمِرٍ الْيَحْصِبِيُّقَالَ: وَسَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ عَنِ الرَّجُلِ، يَمَسُّ ذَكَـرَهُ وَالْـمَـرْأَـةُ تَـمَسُّ فَرْجَهَا؟ فَقَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ يَقُولُ: أَخْبَـرَتْـنِـي بُسْـرَـةُ بِـنْـتُ صَـفْـوَانَ الْأَسَـدِيَّةُ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَأْمُرُ بِالْوُضُوءِ مِنْ مَسِّ الذِّكَرِ، وَالْمَرْأَةُ مِثْلُ ذَلِكَ"[مسند الشاميين للطبرانی:۲۸۷۷]

اسی طرح ایک دوسری سند سے امام خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں:

أخبـرنـا الـعتيقى وابن أشناس، قالا: حدثنا أبو طاهر صالح بن محمد بن المبارک المقرء فی سـوق الثلاثاء، قال ابن أشناس: فی سنة خمس وسبعين وثلاث مائة، وقال العتيقى وكان ثقة، ثم اتـفـقـا، قال: حدثنا أبو ذر بن الباغندی، قال: حدثنا عبيد اللّٰه بن سعد الزهری، قال: حدثنا عمی، قـال: أخبـرنـی، وفی حديث العتيقى، قال: حدثنا، ابن أخی الزهری، عن عمه، قال: أخبرنی عروة أنـه سـمـع بسـرـة بـنـت صفوان، تقول: سمعت النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: من مس فرجه فليتوضأ، وفی حديث العتيقى: "من مس ذكره فليتوضأ"[تاريخ بغداد: ۴۵۱/۱۰]

لہٰذا جس روایت کی بنیاد پر امام زہری پر تدلیس کا الزام لگایا گیا اس میں انہوں نے تدلیس کی ہی نہیں تو الزام کیسا!؟ (ماہنامہ اہل السنہ: شمارہ:۴۹، ص:۳۳ تا:۳۴)

بلال صاحب آگے لکھتے ہیں:

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

"**مشهور بالتدليس**"[اسماء المدلسين: ص:۸۴]

"محمد بن شہاب زہری تدلیس کی وجہ سے مشہور ہیں" (چار دن قربانی: ص:۶۷)

جواب:

علامہ سیوطی نے اپنا ماخذ نہیں بتایا ہے، اور مشہور کی بات امام علائی نے کہی ہے ان کے الفاظ ہیں:

"**محمد بن شهاب الزهری الإمام العلم مشهور به وقد قبل الأئمة قوله عن**"

"محمد بن شہاب زہری بہت بڑے امام ہیں، یہ تدلیس سے مشہور ہیں اور ائمہ نے ان کے عن کو قبول کیا ہے"[جامع التحصيل: ص:۱۰۹]

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ کے یہاں ان کا عنعنہ بالاتفاق مقبول ہے۔ (جاری ہے............)

اسلام میں تزکیہء نفس کی اہمیت و ضرورت

حسینہ مدحت رحمانی

زندگی کو خوبصورت بنانا ہر انسان کا بنیادی فرض ہے لیکن اس کے لئے اگر کچھ بنیادی باتوں کا خیال رکھا جائے تو معاملہ نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے، انہی میں ایک نفس پر غور وفکر ہے، اس مضمون میں ہم ان شاء اللہ اسی نفس اور اس کی تربیت و تزکیہ کی اہمیت وضرورت کے حوالے سے کچھ باتیں پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

نفس کے احوال اور اس کا محاسبہ:

نفس کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک قسم یہ کہ نفس نے ان پر غلبہ پالیا ہو اور ان کو اپنے قابو میں کر کے انہیں تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچا دیا ہو، اور پھر ایسی صورت میں وہ بس نفس ہی کے غلام اور اسی کے مطیع وفرمانبردار بن کر رہ گئے ہوں۔

۲۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے نفس کو اپنے قابو میں کر کے خود کو اس کی غلامی سے آزاد کر لیا ہو، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿فَأَمَّا مَنْ طَغَى،وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنيَا،فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى، وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى،فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى﴾

”پس جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دیا تو جہنم اس کا ٹھکانہ ہے، اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور نفس کو خواہشات سے بچا لیا تو جنت اس کا ٹھکانہ ہے“ [النازعات:۳۷-۴۱]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت بہت ہی عظیم اور فائدے والی صفت ہے۔ اور اس صفت کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ بندہ صرف اور صرف اللہ سے ڈرتا ہو۔ جب اس کے آس پاس اللہ کے بندوں میں سے کوئی نہ ہو، اور وہ اللہ کو بن دیکھے اس یقین کے ساتھ اپنے اندر اللہ کی خشیت پاتا ہو کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تو ایسے شخص کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے اجر کا وعدہ ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ“

’’بیشک آپ تو اسے ہی ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرنے والا ہو اور رحمٰن سے بِن دیکھے ڈرتا ہو پس آپ ایسے شخص کو بخشش اور عزت والے اجر کی خوشخبری سنا دیجیے‘‘ [یٰس: ۱۱]

نفس کے اقسام :

اور اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تین اقسام بتائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱۔ نفس مطمئنہ: اگر نفس کو اللہ کی اطاعت سے سکون واطمینان حاصل ہو، اس کی طرف انابت سے خوشی ہو، اس کی ملاقات کا آرزومند اور مشتاق ہو اور اس کو اس کے قرب حاصل کرنے میں انس میسر ہو تو یہ نفس مطمئنہ ہے۔ اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً﴾

’’اے اطمینان والی روح تو اپنے رب کی طرف لوٹ چل اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش‘‘ [الفجر:۲۷۔۲۸]

۲۔ نفس لوّامہ: یہ نفس کبھی ایک حال پر باقی اور قائم نہیں رہتا ہے۔ بلکہ اس میں بہت تغیر، تبدیلی اور تلون پیدا ہوتا رہتا ہے۔ کبھی ذکر سے سرشار رہتا ہے تو کبھی غفلت ولا پرواہی میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی احکام الٰہی کے قبول کرنے میں قبول کرنے میں سعادت ابدی سمجھتا ہے، تو کبھی ان سے اعراض بھی کرتا ہے، تو کبھی محبت کا برتاؤ کرتا ہے اور کبھی بغض رکھتا ہے تو کبھی خوش اور کبھی رنجیدہ رہتا ہے۔ اور کبھی راضی اور کبھی غصہ ہوتا ہے اور کبھی انتہائی مطیع فرمانبردار اور ڈرنے والا ہو جاتا ہے۔ ’’وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ‘‘ ’’اور میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی‘‘ [القیامہ :۲]

مفسرین کا کہنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ایسے نفس کی قسم کھائی ہے جو واجبات میں کمی اور کچھ حرام کاموں کے ارتکاب پر بھی اپنے آپ کو اتنا ملامت کرتا ہے کہ نفس سیدھا ہو جاتا ہے۔

نفس لوامہ کی دو قسمیں ہیں: لوامہ ملومہ اور لوامہ غیر ملومہ

لوامہ ملومہ: جاہل، ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا نفس ہے جس پر اللہ اور فرشتوں کی طرف سے ملامت نازل ہوتی ہے۔

لوامہ غیر ملومہ: یہ نفس بندے کو اللہ کی عبادت وطاعت کے باب میں اس کی تقصیر اور کوتاہی کرنے پر ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے، درحقیقت سب سے شریف نفس وہی ہے جو نفس کو عبادت اور طاعت کے سلسلے میں سرزنش وفہمائش کرتا رہے، اور اللہ کی رضا کی خاطر ہر ملامت کرنے والے کی ملامت کو برداشت کرے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی

ملامت اس کو پکڑے، اور یقیناً ایسے نفس کو اللہ کی ملامت سے نجات اور خلاصی حاصل ہوتی ہے، رہا وہ نفس جو اعمال پر راضی اور مطمئن رہتا ہے اور نہ اپنے نفس کی ملامت کرتا ہے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو برداشت کرتا ہے، پس ایسے نفس پر اللہ تعالیٰ کی ملامت نازل ہوتی ہے۔

۳۔نفس امارہ: یہ نفس ہر بری اور خراب چیزوں کا حکم دیتا ہے، شر اور برائی اس کی سرشت اور فطرت میں ہے۔اس کے شر اور برائی سے خلاصی اور نجات محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مہربانی سے ہوسکتی ہے۔جیسا کہ اللہ عزوجل نے عزیز مصر کی بیوی کے قول کو قرآن مجید میں نقل فرمایا ہے:

﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

''میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتی بے شک نفس تو برائی پر ابھارنے والا ہے مگر جس پر میرے رب نے رحم کردیا۔ بے شک میرا رب بخشنے والا اور مہربان ہے'' [یوسف :۵۳]

محاسبہ نفس یعنی نفس کی حساب رسی کرنا، انسان اپنے نفس کا حساب وکتاب کرنے کے لئے روز وشب میں سے کسی ایک وقت کا تعین کرلے کہ آج اس نے کیسے اعمال انجام دیئے ہیں اور اپنی فرمانبرداری اور نافرمانی کا موازنہ کرے، اگر اس دن اللہ کی نافرمانی یا معصیت کا مرتکب ہوا ہو تو چاہئے کہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔اور واجبات انجام دیئے ہوں یا معصیت کا مرتکب نہ ہوا ہو تو اللہ کا شکر بجالائے۔

نفس کا تزکیہ کیسے کریں؟

ایک لمحہ کا حساب وکتاب پوری زندگی کے لیے مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

لیکن کیا یہ سوچا جاسکتا ہے کہ وہ ایک لمحہ کا حساب بھی بہت آسان ہے اور انسان بہت آسانی سے اپنے نفس کو چنگل میں لے کر اسے دین کے آہنی اصول وضوابط اور اللہ کے فرمان پر واقعی چلاسکتا ہے؟ نہیں....! بلکہ اپنے نفس پر کنٹرول حاصل کرنا میدان کارزار میں دشمنوں سے مقابلہ کرنے سے کہیں زیادہ مشکل اور دشوار ہے۔اسی لیے ہر شخص کو چاہئے کہ فرض نماز کی پابندی کرے، قرآن مجید کی تلاوت اکثر وبیشتر اوقات میں کرے، کثرت سے صدقہ وخیرات کرے، پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھے، اور اپنے نفس کو اسی بات پر مطمئن رکھے کہ یہ سب اس نے اللہ کی رضا کی خاطر کیا یا کرتا رہے گا اس میں کسی بھی قسم کی ریاکاری شامل نہیں کرے گا۔ یہ اس لئے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اور دل میں آنے والے شکوک وشبہات کا مقابلہ کرے، اس لئے کہ خیر ہو یا شر ان کی ابتداء دل میں آنے والے خیالات سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر مسلمان دل میں آنے والے برے خیالات پر قابو پالے، اور اچھے خیالات پر

اطمینان اورخوشی کا اظہار کرتے ہوئے عملی جامہ پہنائے تو وہ فوز وفلاح پاتا ہے، اوراگر شیطانی وسوسوں اور مسترد کرتے ہوئے شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہے تو گناہوں سے سلامت رہ کرنجات پاتا ہے۔ اوراگر شیطانی وسوسوں سے غافل رہے، اورانہیں قبول کرلے تو یہ وسوسے اسے گناہوں میں ملوث کردیتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾

''اوراگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہی سننے والا اور جاننے والا ہے''

[فصلت:۳٦]

تزکیۂ نفس کے فوائد:

جو شخص اپنے نفس کے عیوب پر مطلع اور واقف نہ ہوسکا تو اس کے لئے اپنے عیبوں کو دور کرنا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے حق کی معرفت بندے کے اندر اس کے نفس سے بغض اور حقارت کا ذریعہ بنتی ہے، اور یہ معرفت حق اس کو خود پسندی اور ریا کاری سے نجات دیتی ہے اور اس کے پروردگار کے آگے اس کے لئے تواضع، خاکساری اور انکساری کے دروازے کو کھول دیتی ہے، اور نفس سے بالکل مایوس بنادیتی ہے، اور بندے کو نجات محض اللہ کے عفو، اس کی مغفرت اور اس کی رحمت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اللہ کا حق یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، نافرمانی نہ کرے، اس کو یاد کرے، اس کو بھولے نہیں اور اس کا شکر ادا کرے اس کی ناشکری نہ کرے۔ متقیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ﴾

''بے شک متقی لوگوں کو جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ لاحق ہوتا ہے تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر وہ حقیقت سے آگاہ ہوجاتے ہیں'' [الاعراف:۲۰۱]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر خشیت الٰہی کا بہت غلبہ تھا اور وہ خوفِ آخرت سے ہر وقت لرزاں وترساں رہتے تھے۔ شُفَیّ الاصبحی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مدینہ منورہ آیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص کے اردگرد بہت سے لوگ جمع ہیں میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں.... میں بھی ان کے پاس جا کر ادب سے بیٹھ گیا، اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کررہے تھے، جب وہ احادیث سنا چکے اور لوگ اٹھ کر چلے گئے تو میں

نے عرض کیا: اے صاحبِ رسول اللہ ﷺ مجھے بھی کوئی حدیث سنائیے جس کو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو، سمجھا ہو، اور جانا ہو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا: میں تمہیں ایسی ہی حدیث سناؤں گا۔ یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو کہا میں تم کو ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی جب میرے سوا کوئی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ تھا! یہ کہہ کر پھر چیخ ماری اور غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، میں بہت دیر تک ان کو سہارا دے کر بیٹھا رہا۔ جب ہوش آیا تو کہا، مجھ سے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کے فیصلے کرے گا تو سب سے پہلے اس کے سامنے تین آدمی پیش کئے جائیں گے۔ ایک قرآن کا عالم، دوسرا میدانِ جہاد میں لڑ کر مارا جانے والا، تیسرا مالدار۔ اللہ تعالیٰ عالم سے پوچھے گا! کیا میں نے تجھے قرآن کی تعلیم کی توفیق نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا! ''ہاں میرے اللہ'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہے گا میں دن رات اس کی تلاوت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تلاوت اس لئے کرتا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، سو ایسا ہی ہوا اور تو نے لوگوں سے قاری کا خطاب حاصل کرلیا۔ پھر اللہ تعالیٰ میدان جہاد کے مقتول سے پوچھے گا کہ تو کیوں قتل ہوا؟ وہ کہے گا، اے اللہ تو نے اپنی راہ میں جہاد کا حکم دیا تھا، پس میں نے جہاد کیا اور مارا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے میری راہ میں جہاد اس لئے کیا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور یہ خطاب تو لوگوں سے پا چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ مالدار سے سوال کرے گا، کیا میں نے تجھے مال و دولت دے کر لوگوں کی احتیاج سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا؟ وہ کہے گا بے شک میرے اللہ! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے اس مال کا کیا کیا؟ وہ کہے گا، صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ و خیرات کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تیرا مقصد تو اس مال کے خرچ کرنے سے یہ تھا کہ لوگ تجھے بڑا سخی اور فیاض کہیں اور تیری آرزو کے مطابق لوگوں نے تجھے ایسا کہا۔ یہ حدیث بیان فرما کر رسول ﷺ نے میرے زانوں پر ہاتھ مار کر فرمایا، ابو ہریرہ! سب سے پہلے ان تینوں کے لئے جہنم کی آگ دہکائی جائے گی۔ [سنن ترمذی: ۲۳۸۲، صحیح]

اللہ اکبر! یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں دنیا میں جنت کی بشارت دے دی گئی اس کے باوجود جہنم سے اتنا خوف تھا کہ روتے روتے غش آ جاتا..... ''**اللّٰھم اجرنا من النار**''

نفس کی اصلاح اور اس کی درستی کے بغیر جہنم اور اس کی ہولناکیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ نیز اصلاح نفس کا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت محبوب ہے اللہ رب العزت نے نفس کو پاک رکھنے اور توبہ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوحًا**﴾

''اے ایمان والو! اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو'' [التحریم : ۸]

نبی کریم ﷺ کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہمارے نفس کو پاکیزگی مل سکے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾

''وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتا ہے، اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے'' [الجمعہ: ۲]

وہ نبی جسے پوری کائنات کے اصلاح کے لئے بھیجا گیا اور جس کے بارے میں خود اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾

''تحقیق کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ بہترین نمونہ ہیں اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے'' [الاحزاب: ۲۱]

جس نبی ﷺ کی قرآن مجید میں جگہ جگہ تعریفیں بیان کی گئی وہ نبی دنیا والوں کے مقابلے میں اللہ سے بہت ڈرنے والے تھے اور اپنے نفس کو ہر برائی سے پاک رکھتے تھے جبکہ ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم اپنے نفس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾

''آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب (اپنے نامۂ اعمال کے مطابق) اپنے اپنے پورے اجر پانے والے ہو، کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کردیا جائے، رہی یہ دنیا (جس کے پیچھے ہم سب دیوانوں کی طرح بھاگ رہے ہیں) تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے'' [آل عمران: ۱۸۵]

سو معلوم ہوا کہ اصل کامیابی کا راستہ یہی ہے کہ انسان آخرت میں جہنم سے نجات اور جنت تک پہنچنے کی فکر کرلے اور اسی چیز کو حضور اکرم ﷺ نے عقل مندی و دانش مندی قرار دیا۔

فرمایا: ''الكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ''

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا مستقل محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد والی زندگی کی خاطر عمل کرے'' [سنن

ترمذی :۲۴۵۹ :۲۱۹/٤، مسند امام احمد :۱۷۱۲۳، ۳۵۰/۲۸، المستدرك للحاكم :۱۹۱، ۱۲۵/۱]

حدیث کی سند میں اگر چہ ضعف ہے لیکن سابقہ آیت کریمہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو معنی بالکل درست ہے، اس لئے متعدد محدثین نے اسے روایت کیا ہے۔

نفس کے شر سے پناہ : حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے کہا میں تمہیں اسی طرح بتاتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، آپ ﷺ فرماتے تھے: اے اللہ! اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیزی عاجزی اور سستی اور نامردی اور بخیلی اور بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے، یا اللہ! میرے نفس کو تقویٰ دے اور پاک کردے اس کو، تو اس کا بہتر پاک کرنے والا ہے، تو اس کا آقا اور مولیٰ ہے، یا اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس علم سے جو فائدہ نہ دے اور اس دل سے جو تیرے سامنے نہ جھکے اور اس جی سے جو آسودہ نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو۔[صحیح مسلم:۲۲۲۷]

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دورحاضر میں سارے مسلمانوں کے ذہنوں میں رائج مفہوم کی اصطلاح کی جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ گناہ فقط منکرات کا ارتکاب ہے۔ مثلاً چوری، زنا کاری، غیبت اور اس جیسے دیگر معاصی ہیں حالانکہ یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ یہ بات بھی گناہ ومعصیت ہے کہ شرعی واجبات کو بجا نہ لایا جائے یا ان میں کوتاہی برتی جائے اور کامل طریقہ ادا نہ کیا جائے مثلاً نماز کی اس کے اوقات میں ادائیگی میں غفلت برتنا، یا جماعت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے میں سستی کرنا، یا خشوع وخضوع میں کمزوری دکھانا، یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، بجا نہ لانا، یا دعوت الی اللہ میں اہمال، سستی برتنا، یا معاملات اور احوال المسلمین کا اہتمام نہ کرنا وغیرہ، فرائض وواجبات جنہیں اکثر بھلا دیا جاتا ہے۔

اللہ کے بندو.... یہ بات ذہن نشین کرلو! انسان کی فلاح وکامیابی اپنے نفس کو قابو رکھنے میں ہے چنانچہ محاسبہ نفس، اور ہر قول وفعل پر مشتمل چھوٹے بڑے کام میں مکمل نگرانی ضروری ہے۔ لہٰذا جس شخص نے محاسبہ نفس، اور اپنے قول و فعل پر رضائے الٰہی کے مطابق مکمل قابو رکھا تو وہ بڑی کامیابی پا گیا۔

اب ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تقویٰ اختیار کریں، اللہ کے پسندیدہ اعمال کے ذریعے قرب الٰہی تلاش کریں۔ غضبِ الٰہی کا موجب بننے والے اعمال سے دور رہیں، اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں متقی کامیاب وکامران ہونگے اور خواہشاتِ نفس کے پیروکار نامراد ہونگے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نیک اعمال میں اخلاص اور تقویٰ پیدا کرے (آمین)۔

☆☆☆

دشمن کی سازشوں سے خبردار رہیں

ابوسفیان ہلالی

شیطان اللہ کا باغی اور نافرمان ہے، وہ اللہ کا بھی دشمن ہے اور انسانوں کا بھی، انسان سے شیطان کی دشمنی ازل سے ہے، جنت سے زمین پر اتارے جانے کے وقت ابلیس نے اللہ سے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تھی اور مہلت مل جانے پر اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ ''میں لوگوں کو تیرے سیدھے راستے سے گمراہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا اور مختلف صورتوں میں ان کے سامنے جاکر انہیں صراط مستقیم سے برگشتہ کرنے کے اقدامات کروں گا''، آغاز سے اب تک ابلیس اور اس کے چیلے اپنے اس کام میں سرگرم ہیں اور قیامت تک رہیں گے، اور اسی لئے رب نے اس شیطان کو انسانوں کا کھلا ہوا دشمن قرار دیا ہے، اس کی چالبازیوں اور دسیسہ کاریوں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

شیطان کے تعلق سے یہ امر حقیقی ہے کہ وہ غلط چیزوں کو بھی انسان کے سامنے اتنی خوبصورتی کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ انسان غلط کو بھی درست سمجھنے لگتا ہے، مثال کے طور پر صدقہ وخیرات کرنے اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کے موقع پر شیطان انسانی دماغ میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ''بھلے مانس! کیا تجھے اپنا مال محبوب نہیں، تو یہاں اتنے پیسے کیوں لگا رہا ہے، دیکھ تجھے ابھی فلاں چیز لینا ہے اور گھر کا فلاں کام باقی ہے، اگر تو نے یہاں پیسہ لگا دیا تو فقیری و قلاّشی تجھے آدبوچے گی اور تو محتاج ہو جائے گا''، لیکن یہی شیطان جب انسان کو کسی غلط کام میں پیسے خرچ کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اسے بے حد خوشی ہوتی ہے مگر وہ ایسے موقع پر انسان کو فقیری ومحتاجی کے تعلق سے وسوسے میں مبتلا نہیں کرتا ہے بلکہ اس برے عمل کو بھی انسان کے سامنے خوبصورت اور مزین کرکے پیش کرتا ہے حالانکہ پیسے ہی یہاں بھی خرچ کئے جارہے ہیں، اسی مفہوم کو اللہ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۶۸ میں بیان کیا ہے، اللہ کہتا ہے:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

''شیطان تمہیں فقیری سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے''

محترم قارئین! اللہ نے انسانوں کواور بطور خاص اپنے مومن بندوں کواس بات کا حکم دیا ہے کہ:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُورُ﴾

''اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے، لہٰذا یہ دنیاوی زندگی تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈال دے اور کہیں دھوکہ دینے والا (دھوکے باز شیطان) تمہیں اللہ کے تعلق سے دھوکہ نہ دے دے''[سورۃ فاطر:۵]

لہٰذا ہوشیار رہو، شیطان تمہارا دشمن ہے اور ایسا دشمن ہے جو کبھی تمہارا دوست نہیں ہوسکتا، اللہ کے رسول ﷺ نے بھی ہمیں یہ بات بتلائی ہے اور اسلامی تعلیمات کا شیطان کے تعلق سے خلاصہ یہی ہے کہ ''شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، انسانی دماغ کو طرح طرح کے وسوسے میں مبتلا کرتا ہے، مختلف حیلے اور بہانوں سے انسان کو نیک عمل کرنے سے روکنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اس کے پاس اتنے چور دروازے ہیں کہ ان راستوں پر لے جا کر وہ انسان کو مشرک و کافر بھی بنا دیتا ہے اور پھر اپنا دامن جھاڑ لیتا ہے۔

عین نماز کے وقت ایک مومن بندے کے دل میں دنیا کی محبت داخل کرنے کے فراق میں ہوتا ہے، مختلف وسائل و ذرائع سے انسانوں، مسلمانوں اور رشتہ داروں کے درمیان ناچاقی اور عداوت کی بیج بونا چاہتا ہے اس لئے تم اس کے حوالے سے فکر مند رہو، اسے ہلکے میں نہ لو اور اس کو دشمن سمجھتے ہوئے اس سے اور اس کے وساوس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرتے رہو۔

آج اس موجودہ دور میں جہاں وسائل و ذرائع کی بہتات ہے اور ان کے فائدے بھی بیشمار ہیں وہیں یہ چیزیں انسانوں اور بطور خاص مسلمانوں کی مصیبتوں میں اضافے کا سبب بھی ہیں اور اس کی مختلف رنگ وروپ سے مزین ایک شکل ''سوشل میڈیا'' کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے جس میں نت نئے طریقے سے ایک دوسرے کے قریب کرنے والے آپشن موجود ہیں کہ جس راستے پر چلتے ہوئے قدم میں ذرا سی بھی لغزش انسان کو بربادی کے راستے پر ڈال دیتی ہے۔ غلطی ان وسائل کی قطعی نہیں ہے اور نہ ہی اس دور میں ایجاد کرنے والے کا یہ مقصد رہا ہوگا لیکن اگر آپ غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ شیطان نے انہی چیزوں کو کسی نہ کسی حیثیت سے اپنا ہتھیار بنا رکھا ہے۔ اسی لئے ہم ان کا استعمال تو کریں اور ضرور کریں لیکن دوران استعمال اپنے دماغ کی بتی روشن رکھیں، ان کے درست اور جائز استعمال کو ترجیح دیں، غلط چیزوں اور راستوں کو ہرگز اختیار نہ کریں، غلط چیزوں کے فروغ اور پھیلنے کا سبب نہ بنیں، ہر دم چوکنا اور ہوشیار رہیں، دل ودماغ کے پردے وا رکھیں اور آنکھیں بند نہ کریں کہ دشمن مستقل ہماری تلاش میں ہے۔

ایک عامل کی زندگی خلیج میں

عبدالکریم رواب علی السنابلی (الخبر۔سعودی عرب)

آرام پسندی، نعمت کی چاہت، مال ودولت کی خواہش، آرام وآسائش، اچھا مکان، بچوں کی اچھی تعلیم، والدین کی خوشی اور بچوں کا روشن مستقبل جیسی تمام خواہشیں انسانی فطرت میں پیوست ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ﴾

''لوگوں کے لیے نفسانی خواہشوں کی محبت مزین کی گئی ہے، جو عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔'' [آل عمران:١٤]

اور انہی تمام تر خوابوں کو پورا کرنے کے لئے انسان بسا اوقات حلال وحرام کی تفریق کئے بغیر مال ومتاع سمیٹنے کی ہوس میں اپنی تمام کوششیں اور عمل پیہم صرف کر دیتا ہے اور زندگی کی آخری سانس تک اپنی تمناؤں اور خواہشوں کی سیڑھیاں طے نہیں کر پاتا اور اسی لیل ونہار کی گردش اور زندگی کی تیز رفتاری میں داعئ اجل کو لبیک کہہ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

''وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ، إِلَّا التُّرَابُ''

''اور انسان کا پیٹ مٹی ہی بھرتی ہے'' [مسند احمد :١٢٢٢٨،واسناده صحيح على شرط البخارى]

بسا اوقات ایک عامل انہی خوابوں کو آنکھوں میں سجائے اور دل میں سمیٹے ہوئے خلیج کا رخ کرتا ہے، حالات سے مجبور ہوکر کنبہ قبیلہ، گھر بار، تمام رشتے دار، والدین، بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر، سینے اور کلیجے پر پتھر باندھ کر دو سال کے ایک لمبے سفر پر روانہ ہوجاتا ہے۔ آنکھوں میں اشک لئے، بچوں کی تصویریں نگاہوں میں بسائے، ہاتھوں میں پاسپورٹ لئے امیگریشن کی طرف ناچاہتے ہوئے بھی قدم بڑھا دیتا ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں بچے نگاہوں سے اوجھل ہوجاتے ہیں۔ چار گھنٹے کے سفر کے بعد خلیجی ایئر پورٹ پر اترتا ہے۔ اترتے ہی سیکورٹی والے بکریوں کی طرح ہانک کر ایک قطار میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ ویزا اور پاسپورٹ کی تحقیق کے بعد ایئر پورٹ کے باہر

آ پہنچتا ہے۔ ملک نیا، چہرے نئے، زبان نئی، قانون نیا، اب کہاں جائیں؟ چونکہ ٹراویل ایجنسی والوں کی ہدایت ہوتی ہے کہ کمپنی سے ایک نمائندہ ایئرپورٹ آئے گا اس کے ساتھ میں ایک بینر ہوگا جس پر کمپنی کا نام لکھا ہوگا، چنانچہ باہر نکلتے ہی نگاہیں اس بینر کو تلاش کرنے لگتی ہیں خوش قسمت ہوتے ہیں وہ جن کو اپنا بینر نظر آ جاتا ہے اور ایک یا دو گھنٹے میں اپنی منزل کی طرف رواں ہو جاتے ہیں، بسا اوقات کچھ لوگوں کو پوری رات ایئرپورٹ کی بنچ پر سونا ہوتا ہے، نہ کوئی کال، نہ کوئی بینر نہ ہی کوئی پرسانِ حال۔

بہرحال کچھ گھنٹوں میں کمپنی کے کیمپ میں پہنچا دیا جاتا ہے، جو غالباً صحرائی علاقوں میں ہوتا ہے۔ جہاں ایک کھاٹ کے اوپر دو اور کھاٹ چڑھے ہوتے ہیں اس طرح ایک کمرہ میں ۸ سے ۱۰ لوگوں کی رہائش ہوتی ہے۔ کیمپ کا مشرف رات ہی کو باخبر کر دیتا ہے کہ علی الصباح میڈیکل چیک اپ کے لئے ہاسپٹل جانا ہے، اہل وعیال کی میٹھی یادوں کے بیچ کروٹ بدلتے ہوئے صبح ہوتی ہے اور حسب اتفاق ہاسپٹل جا کر میڈیکل چیک اپ ہوتا ہے۔ رپورٹ فٹ ہونے کی صورت میں دو سال کا عقد و معاہدہ ہوتا ہے اور پاسپورٹ کمپنی میں جمع ہو جاتا ہے تاکہ کوئی عامل دو سال سے پہلے کہیں فرار نہ ہو سکے۔

دوسرے دن فجر سے کافی پہلے بیدار ہو کر ناشتہ اور ساتھ ہی ساتھ دوپہر کا کھانا تیار کر کے اور دیگر ضروریات سے فارغ ہو کر فجر کے بعد بس میں سوار ہو جاتے ہیں اور کچھ منٹوں کے بعد کام کی سائٹ (موقع العمل) پر پہنچ جاتے ہیں جہاں بالکل صحرا ہی صحرا ہوتا ہے۔ نہ سرسبز وشادابی نہ ہریالی، بڑے بڑے پلانٹ، اونچے اونچے ٹاورز اور ہزاروں کی تعداد میں لیبرس سیفٹی کپڑوں میں ملبوس کام کے لئے بالکل تیار نظر آتے ہیں۔ بہرحال سیفٹی کا ایک مختصر بیان سننے کے بعد ڈیوٹی پر لگ جاتے ہیں۔ گرد وغبار، سورج کی تپش اور نگراں کی سخت اور کڑی نظروں کے بیچ ظہر کا وقت ہو جاتا ہے اور کھانا کھانے کے لئے ایک گھنٹہ کا وقفہ ہوتا ہے۔ چونکہ فجر سے کافی پہلے بیدار ہونے کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوتی ہے لہٰذا اس وقفے میں نیند کو کھانے پر ترجیح دے کر مسجد میں جا کر ایک چھوٹی سی نیند لینے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس مختصر سے قیلولے کے بعد واپس کام پر تعینات ہو جاتے ہیں اور اسی شدّ ومد سے پورا دن گزرتا ہے اور شام ہو جاتی ہے۔

آٹھ یا دس گھنٹے کی لمبی ڈیوٹی کے بعد پورا جسم نڈھال ہو جاتا ہے اور تھکاوٹ سے چور چور ہو جاتا ہے۔ پھر واپس اسی بس سے اسی صحرائی کیمپ میں چھوڑ دیا جاتا ہے جہاں شام میں قضاء حاجت اور غسل کے لئے ایک لمبی قطار ہوتی ہے، اسی طرح تمام ضروریات سے فارغ ہو کر کھانے اور پکانے میں جُٹ جاتے ہیں۔ اس کے بعد دن بھر کی محنت سے چور چور ہو کر بستر پر لیٹتے ہی آنکھ کب بند ہو گئی احساس تک نہیں ہوتا۔ اس طرح رات گزرتی ہے اور دوسرے دن صبح فجر سے پہلے بیدار ہو کر اسی روزمرہ کے جدول کے مطابق زندگی پھر شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح صبح ہوتی ہے، شام

ہوتی ہے اور زندگی یوں ہی تمام ہوتی ہے۔

ڈیوٹی کی اس مشغول زندگی میں ہفتہ گزر جاتا ہے، جمعرات کی شام آتی ہے جس کا تمام خلیج میں رہنے والوں کو بے صبری سے انتظار رہتا ہے، جمعرات اپنے ساتھ بہت ساری خوشیاں لے کر آتی ہے، گرچہ دیگر ایام میں شام ۹ بجتے ہی بستر کے سوا کچھ اور نہیں دکھائی دیتا تھا لیکن جمعرات کو کیا نو، کیا دس، کھانا پکاتے کھاتے، سیر وتفریح اور گپ شپ کرتے بسا اوقات فجر کی اذان ہو جاتی ہے، لہٰذا فجر کے بعد پورے کیمپ میں سنّاٹا سا چھا جاتا ہے۔ پھر جمعہ کی نماز ہوتی ہے، کھانا پینا ہوتا ہے، عصر کے بعد کمپنی کی طرف سے بس کا انتظام ہوتا ہے۔ جو شخص شہر جانا چاہے جا سکتا ہے لیکن واپس اسی بس سے کیمپ میں آنا ہوتا ہے۔ ہفتہ بھر کی تکان دور کرنے شہر کا رخ کرتے ہیں اور کچھ وقت وہاں گزارنے کے بعد واپس دیر رات کیمپ پہنچ جاتے ہیں۔ پھر واپس دوسری صبح وہی روٹین دوہرایا جاتا ہے اور اسی طرح دھیرے دھیرے سال پورا ہو جاتا ہے۔

پردیسیوں کی بے رونق زندگی کا ایک بہت دردناک اور قابلِ ذکر پہلو عید الفطر اور عید قرباں ہیں، جو دراصل خوشیاں بانٹنے، اپنوں سے ملنے جلنے اور آپسی میل ومحبت کا تیوہار مانا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ عیدیں پردیسیوں کی آنکھوں میں آنسو، دلوں میں غم اور خلوت وتنہائی کا بہت گہرا احساس لے کر آتی ہیں۔

عید کی صبح ہوتی ہے، غسل کرکے عید گاہ جاتے ہیں اور دوگانہ نماز ادا کرکے واپس اسی بے رنگ کیمپ میں آ جاتے ہیں۔ چند احباب کے ساتھ مل کر کچھ روکھا سوکھا پکوان بنا کر کھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں نہ کوئی پرسان حال ہے اور نہ ہی مبارکبادی دینے کے لئے کوئی کندھا۔ ایسے موقع پر ایک مشہور شعر یاد آتا ہے:

پھول پردیس میں چاہت کا نہیں کھلتا ہے عید کے دن بھی گلے کوئی نہیں ملتا ہے

بہرحال ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کی ایجادات نے بہت حد تک دوریوں کو سمیٹ دیا ہے جس کے ذریعہ بچوں سے بار بار محو گفتگو ہو کر عید کی روٹھی ہوئی خوشیوں کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ کتنے ایسے ہیں جو تنہائی کے اس دردناک مار کی تاب نہ لا کر خلوت میں جا کر آنسو بہاتے ہیں اور اپنے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جہاں ایک طرف خلیج کی بے رنگ اور اداس بھری زندگی گزرتی رہتی ہے وہیں دوسری طرف اہل وعیال کا گمان ہوتا ہے کہ خلیج میں درخت سے ریال جھاڑا جاتا ہے، ابھی مہینہ پورا بھی نہیں ہوتا ہے کہ اہل خاندان کا فون آنا شروع ہو جاتا ہے اور پیسے کا مطالبہ بڑھ جاتا ہے، الحمدللہ مہینہ ختم ہوتا ہے موبائل پر میسیج موصول ہوتا ہے کہ تنخواہ ٹرانسفر ہو گئی ہے، پیسے کی اشد ضرورت کے پیش نظر ابھی میسیج آئے چند گھنٹے ہی گزرے ہوتے ہیں کہ سارا پیسہ اہل وعیال کو بھیج دیا جاتا ہے اور دوسرا

میسیج موصول ہوتا ہے کہ آپ کا حالیہ بیلینس ۳۰۰ یا ۴۰۰ ریال ہے۔اس طرح مہینہ درمہینہ گزرتا ہے، تنخواہ ملتی ہے، اہل و عیال کوٹرانسفر ہوتا رہتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے دوسال پورا ہونے میں چند مہینے باقی رہ جاتے ہیں ، ابھی چھٹی کی درخواست کمپنی میں جمع ہوئی نہیں کہ بھائی ، بہن ، بہنوئی ، چچا، بھتیجے اور دیگر دوست واحباب کی مطالبات کی فہرست آنا شروع ہوجاتی ہے،کسی کے لئے موبائل،کسی کے لئے گھڑی،کسی کے لئے کپڑے اور کسی کے لئے پرفیوم وغیرہ وغیرہ

چونکہ ابھی تک جو تنخواہیں ملی تھیں وہ تو پہلے ہی وطن عزیز پہنچ چکی ہیں لہٰذا اگلی تین یا چار تنخواہیں جو تقریباً ۵ یا ۶ ہزار ریال ہونگی انہیں احباب کی فرمائشوں پرخرچ کرنا ہے۔اب آخر میں باری خود کی آتی ہے چونکہ دوسال بعد وطن لوٹ رہے ہوتے ہیں لہٰذا کچھ نئے کپڑے، جوتے ،اچھا سا موبائل، گھڑی،عطر اور دیگر لوازمات کی تکمیل ضروری ہوتی ہے اور آخر میں کچھ پیسے بچا کر بطور جیب خرچ رکھنا بھی ہے چونکہ ریال کی دنیا سے جارہے ہیں لہٰذا ہر بازار، ہر چوراہے اور ہر جگہ آپ ہی کو خرچ کرنا ہوگا گرچہ آپ کے احباب ممبئی، دلّی یا حیدرآباد کے تاجر ہی کیوں نہ ہوں۔

بہرحال دوسال پورے ہوتے ہیں، ویزا اور ٹکٹ کی کارروائی پوری ہوتی ہے، پاسپورٹ ہاتھ میں آتا ہے، ڈرائیور ایئرپورٹ چھوڑتا ہے اور اگلے چار گھنٹے میں اپنے دیس واپس پہنچ جاتے ہیں۔ چونکہ اہل وعیال اور احباب استقبال کے لئے ایئرپورٹ پر منتظر ہوتے ہیں لہٰذا ایئرپورٹ کے باہر پرجوش استقبال ہوتا ہے اور کچھ ہی گھنٹوں میں گھر پہنچ جاتے ہیں۔ چھوٹے بچے بڑے ہوجاتے ہیں، گھر، گاؤں، محلّہ اور کھیت وکھلیان بدلا بدلا نظر آتا ہے۔ بہرحال چند ماہ کی چھٹیاں گزرتی ہیں اور پھر واپسی کا پروگرام بننا شروع ہوجاتا ہے۔اور تمناؤں وخواہشوں کی مزید سیڑھیاں طے کرنے کے لئے دوبارہ خلیج واپس آپہنچتے ہیں۔ پھر دوسال پورے ہوتے ہیں، چھٹی جاتے ہیں، واپس آتے ہیں، یہ لا متناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے۔کبھی گھر کی تعمیر،کبھی قرض کی ادائیگی،کبھی فلیٹ کی بکنگ اور کبھی بچوں کا روشن مستقبل غرضیکہ خواہشات کی سیڑھیاں ختم نہیں ہوتی ہیں، لالچ انسان کو جوان سے بوڑھا کردیتی ہے اور آدمی مکمل طور پرسیٹ نہیں ہوپاتا ہے کوئی نہ کوئی تمنا باقی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ جاتا ہے اور لحد میں اتار دیا جاتا ہے اور لحد میں اتارتے وقت کوئی بڑے بزرگ فرماتے ہیں کہ منہ کے کفن کی گرہ کھول دو، منہ قبلہ کی طرف کردو، پھر آواز آتی ہے ہاں ٹھیک ہے اب سیٹ ہوگیا یہاں پہنچ کر انسان مکمل طور پر سیٹ ہوجاتا ہے۔اسی کی تعبیر آپ ﷺ نے کی ہے :"وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ، إِلَّا التُّرَابُ"

"اور انسان کا پیٹ مٹی ہی بھرتی ہے" [مسند احمد :١٢٢٢٨،واسناده صحيح على شرط البخاری]

اللہ تعالیٰ ہمیں قناعت پسندی کے ساتھ رزق حلال کمانے اور تمام جائز تمناؤں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اهل السنة
Ahlus Sunnah
اتباع الكتاب والسنة بفهم سلف الأمة

معتبر دینی صحافت کا ایک معتبر نام

ماہنامہ اہل السنۃ

- فہم سلف کی روشنی میں کتاب وسنت کی دعوت
- عقدی و منہجی مسائل میں مسلک سلف صحابہ وتابعین کا احیاء وترویج
- سماج میں پھیلے شرک وبدعات اور بدعقیدگیوں پر ایک کاری ضرب
- اختلافی مسائل پر مدلل تجزیات
- علوم الحدیث پر معیاری مضامین
- صحیح احادیث کی اشاعت اور ضعیف احادیث کی نشاندہی
- شریعت کے جملہ علوم وفنون کے اصول وضوابط پر تحقیقی مقالات
- تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کو مہمیز دینے والی تحریریں
- موجودہ مسائل وحالات پر شرعی وفکری تجزیات

بے پناہ گہرائی، انوکھے اسالیب، سنجیدہ افکار، معیاری مقالات اور منہجی توضیحات
ایک مکمل تحقیقی کورس پڑھنے کے لئے آج ہی ممبر بنیں۔

8080807836, 8291063765

Total Pages 52
Date Of Publication : 1st Of Every Month
RNI No. : MAHURD/2011/49422/Postal Registration No. : MCE/281/2019-21
Posted On 4th And 5th Of Every Previous Month

اسلامک انفارمیشن سینٹر کا
انفرادی دعوتی شعبہ

اسلامک انفارمیشن سینٹر کا دعوہ ڈیسک

کرلا، اندھیری، ساکی ناکہ سینٹر پر علماء کے
روبرو بیٹھ کر اپنے دینی سوالوں کے جواب پائیں۔

واٹس ایپ اسلام ہیلپ لائن

808080 1882

مذکورہ نمبر پر اسلام کے متعلق کوئی بھی سوال
پوچھیں اور دلیل کے ساتھ جواب حاصل کریں۔

تحریری فتاوے

وراثت، نکاح، طلاق، و دیگر اہم تحریری سوالوں کے
جواب تحریری شکل میں سینٹر سے حاصل کریں۔

تین اسلامی ہیلپ لائن نمبرز پر فون سے رابطہ کر کے
اسلامی سوالوں کے جواب حاصل کریں۔

808080 7836, 808080 1882, 771000 7943

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1. Pipe Road, Kurla (W), Phone : 02226500400

Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

Shop No. 9, Yadav Nagar, Near Masjid Sirajul Uloom, Khairani Road, Sakinaka-72, Mobile : 7710007943

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | islamsmessage | iic mumbai

www.islamsmessage.com | Islamic Messages 70457 88257 | Helpline No. 808080 1882 | Question & Answers 022 26500 400

If Undelivered Please Return To
Ahlus Sunnah
Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post